بیاد پروفیسر سید منظر حسن دسنوی مرحوم
اور سید شکیل دسنوی مرحوم

شعر و ادب کی صالح قدروں اور عصری رجحانات کا ترجمان

اشاعت کا سولہواں سال ۶۹ رواں شمارہ

سہ ماہی **ادبی محاذ** کٹک

ہمارے سرپرست

علامہ حضرت سید اولادِ رسول قدسی مصباحی (امریکہ)
جناب خادم رسول عینی (بھساول)
جناب محمد رفیق وارث مصباحی (جانسبرگ، جنوبی افریقہ)

مدیر اعلیٰ: سعید رحمانی
موبائل۔ 07978439220 (صرف SMS کے لیے)

مدیر	معاون مدیران	
سید نفیس دسنوی	سیّد نور الٰہی ناطق	عبدالمتین جامیؔ
Mob:9437067585	Mob:9237427933	Mob-9938905926

منیجنگ ایڈیٹر
سمیع الحق شاکر موبائل 9861148800

کمپیوٹر کمپوزنگ:۔ یونس عاصم موبائل۔9090156995

مجلس مشاورت
ڈاکٹر اسلم حنیف، ظفر اقبال ظفر، شارق عدیل، غلام ربانی فدا، اشفاق نجمی، حیرت فرخ آبادی، شیخ منور حبیبی، شیخ قریش، ڈاکٹر معصوم شرقی، ڈاکٹر قمر الزماں، یوسف جمال، مولانا مطیع اللہ نازش، ارشد جمیل

قانونی مشیر: محمد فیض الدین خاں (ایڈوکیٹ، ہائی کورٹ)

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ
سعید رحمانی۔ دیوان بازار۔ پوسٹ بخشی بازار، کٹک۔753001 (اڈیشا)
09437067585 (ضروری جانکاری کے لیے)
E-mail: adbimahaz@gmail.com
E-mail: Sayeedrahmani@gmail..com
Website: http//www.sayeedrahmani.blogspot.com

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے زرِ سالانہ: ۱۰۰ روپے
رجسٹری ڈاک سے زرِ سالانہ۔ ۲۰۰ روپے
خصوصی زرِ سالانہ: ۲۰۰ روپے بیرونِ ممالک: ۲۵ امریکی ڈالر
(چیک یا ڈرافٹ پر نام کی جگہ صرف Mohammed Sayeed لکھیں۔ پتہ نہ لکھیں۔ چیک کے ذریعہ زرِ سالانہ ۱۲۵ روپے ارسال کریں۔ بیرونِ ملک کے لئے ۳۰ امریکی ڈالر)
IndianOverseasBank-A/CNo.172201000001688
Name Of Account Holder:Mohammed Sayeed
IFSC Code-IOBA0001722-Branch-P.K.ParijaRoad,
OPP:Howarah Motors, Cuttack

پبلیشر و پرنٹر شیخ قریش نے چنّا پریس قاضی بازار سے چھپوا کر دفتر ادبی محاذ دیوان بازار کٹک۔753001 سے شائع کیا۔

یادوں کے جھروکے سے
سید شکیل دسنوی مرحوم

غزل

دار پر منصور ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں
جب یہی دستور ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

حسن پر قیدِ روایت، عشق بھی زنجیر پا
ہر کوئی مجبور ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

ہر طرف مایوسیاں، محرومیاں، ناکامیاں
غم سے ہر دل چور ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

ہے بصارت سرنگوں اپنے مقدر پر ابھی
شب گزیدہ نور ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

پا شکستہ ہیں ارادے، آرزوئیں جاں بلب
اور منزل دور ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

بشکریہ
طلعت نفیس

ہمارے خصوصی معاونین

اپنی پنشن کی رقم سے ''اخبارِ اڑیسہ'' کا لگایا ہوا پودا اب اللہ کے فضل وکرم سے برگ و بار لا کر سہ ماہی ''ادبی محاذ'' کی صورت میں ارتقائی سفر طے کرنے لگا ہے۔ میری تنہا ذاتی کوششوں سے شروع کیا ہوا یہ سفر اب 'لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا' کے مصداق ایک ادارے کی شکل اختیار کر گیا ہے جس میں مقامی احباب کے دامے درمے سخنے تعاون کے ساتھ ہی کل ہند اور عالمی سطح پر بھی محبان اردو نے اپنی طرف سے ایک ہزار سے پانچ ہزار تک کے عطیات دیے ہیں اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ ان میں سے بعض نے وقفے وقفے سے رقم بھیجتے رہنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔ تمام محبان اردو سے گزارش ہے کہ ''ادبی محاذ'' کی خریداری قبول فرمائیں اور اس کی بقا کا ضامن بنیں۔

خصوصی معاونین کے اسمائے گرامی

الحاج محمد ایوب خاں	بھونیشور
الحاج سیّد عطا محی الدین	بھدرک
الحاج سیّد ڈاکٹر مشتاق علی	کٹک
الحاج مولوی سیّد نذیر الدین صدیقی (ایڈوکیٹ)	کٹک
جناب محمد شاہنواز	بھونیشور
جناب عبدالمجید فیضی	سمبل پور
جناب ایم اے احد	بھونیشور
جناب محمد اسلم غازی	ممبئی
ڈاکٹر محمد قمر الدین خاں	کٹک
جناب ایس این شیخ	ممبئی
مولوی محمد مطیع اللہ نازش	کٹک
جناب شیخ منور احمد حبیبی	دھام نگر (اڑیسہ)
جناب محبّ الرحمٰن وفا	یوڈا، مہاراشٹر
جناب وکیل نجیب	ناگپور
جناب سیّد محمود رضی الدین	راجستھان
جناب اقبال سلیم۔	بنگلور
جناب ایم حمید الدین ناز	بیدر
پالو جی ڈاکٹر جاوید حسین	ممبئی

مس انجم ممتاز سلطانہ	بیدر
جناب رفیق شاہین	علی گڑھ
جناب سمیع الحق شاکر	کٹک
ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمی	رانچی
ڈاکٹر جمال الدین احمد	بھونیشور
ڈاکٹر کرشن بھاوک	پٹیالہ
سید فرید منظر حسن	کٹک
ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی	نیپال
ڈاکٹر قمر الزماں	دھنباد
مولانا پھول محمد نعمت رضوی	مظفر پور (بہار)
جناب ارشد قمر	ڈالٹن گنج
ڈاکٹر ملکہ خورشید	لکھنؤ
حاجی اختر حسین	بیل پہاڑ۔ جھاڑ سوگڈا
جناب جمال قدوسی	سدھارتھ نگر (یوپی)
جناب شمس الحق شمس (ایڈوکیٹ)	دیوپور (کٹک)
ابوالکمال ظفر احمد (ایڈوکیٹ)	بالیسر
جناب ارشد جمیل	کٹک
جناب شیخ بشیر احمد	کشمیر

جناب نظام مجھولیاوی	مظفر پور (بہار)
جناب رمیش پرساد کنول	پٹنہ
جناب اسحاق عابد	چنئی
ڈاکٹر مختار شمیم	بھوپال
ابرار نغمی	رائسین (ایم پی)
بانو مہر سلطانہ بنت حمید الدین	بیدر (کرناٹک)
جناب جاوید ندیم	ممبئی
جناب فیروز احمد سیفی	نیویارک (امریکہ)
پروفیسر سید محمد استخار الدین	بجنور (یوپی)
الحاج سید عطا محی الدین	بھونیشور
جناب سید اولادِ رسول قدسی	امریکہ
جناب سید خادمِ رسول عینی	بھساول
سبطین پروانہ	کٹیہار (بہار)
محسن عظیم انصاری	لکھنؤ (یوپی)

ادبی محاذ کے گوشے

ادبی محاذ میں شاعروں اور ادیبوں کے متعدد گوشے اب تک شایع ہو کر اہلِ ادب سے خراج حاصل کر چکے ہیں۔ ضمیمے کے طور پر ایک شمارہ بشیر احمد بشیر نمبر کی صورت میں منظرِ عام پر آنے والا ہے۔ موصوف کشمیر کے ایک معروف اور کہنہ مشق شاعر ہیں؛ جن کی شاعری فکری طہارت، دینی رجحانات اور عصری حسیت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔

آپ کے گوشے کے لیے بھی ادبی محاذ کے صفحات حاضر ہیں۔ تفصیل کے لیے اس فون نمبر پر رابطہ کریں۔ نمبر ہے: 09437067585

قلمکاروں سے گزارش

اپنی تخلیقات ان پیج میں ٹائپ کر کے ای۔میل سے ارسال کریں تو ترجیحی بنیاد پر شائع ہوں گی۔ اگر اس کی سہولت نہیں تو پھر ڈاک سے بھیجیں (ادارہ)

عالمی علمی، ادبی اور تحقیقی اردو جریدہ

تخلیق و تحقیق

نگراں۔ ڈاکٹر ایم۔ نسیم اعظمی مدیر۔ ڈاکٹر جمیل دوشی

رابطہ۔ عدیلہ پبلی کیشنز۔ ڈومن پورہ (کسماری)

مَو ناتھ بھنجن۔ (یوپی)

اس شمارے میں

ہمارے سرپرست — حضرت علامہ سید اولادِ رسول قدسی (نیویارک، امریکہ)

ہمارے سرپرست — جناب سید خادمِ رسول عینی (بھساول (انڈیا)

ہمارے سرپرست — جناب رفیق وارث مصباحی (جنوبی افریقہ)

محاذِ اول:

7۔طویل عرصے کی جنگ میں..... — قاضی مشتاق احمد

حمد ونعت

8۔عبدالمجید فیضی، سید ریحان حسن، صابر کاغذنگری، سبطین پروانہ

9-اسحاق انور، حمید عکسی، عظیم الدین عظیم، ساغر ملارنوی

10۔گوشۂ احباب

12ایک غزل — عبرت مچھلی شہری

منظومات

13۔ عبدالمجید فیضی، ساغر ملارنوی، منیر سیفی

مضامین

14۔منفرد لب ولہجہ کا شاعر: فریاد آزر — پروفیسر ابنِ کنول

15۔ایک غزل — عبدالسلام کوثر

16۔تھینک یو کورونا...... — سہیل احمد صدیقی

17۔ڈاکٹر ماجد دیوبندی کے نعتیہ...... — ظفر اقبال ظفر

18۔زنگارِ ادب کا ادیب...... : — ایم نصر اللہ نصر

21۔اردو مرثیہ ابتدا اور فن — ابرار نغمی

22۔متوالی (نظم) — ڈاکٹر قمر الزماں

23۔استاد شاعر حلیم صابر پر ایک نظر — مضطر افتخاری

25۔مشتاق دربھنگوی کی غزل گوئی — سراج زیبائی

غزلیات

27۔عبدالمجید فیضی، اختر شاہجہانپوری، علیم صبا نویدی، یوسف جمال، ارشد میناںگری، انیس منیری

28۔بشیر احمد بشیر، ڈاکٹر مسعود جعفری، اسرار نسیمی، اظہر نیر ڈاکٹر بدر محمدی، ڈاکٹر تبسم فرحانہ

29۔ظفر اقبال ظفر، امجد سلیم امجد، مناظر حسن شاہین، ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمی، انجینئر عزیز، تنویر رفیق عثمانی

30۔ابرار نغمی، سید مجیب الحسن نوابی عزیزی، سید محمد نور الحسن نوابی، عظمت علی عظمت، جمیل فاطمی، سید محمد ابرار

افسانے

31۔رانجھے میاں — اقبال سلیم

33۔ہوئے مر کے ہم جو رسوا — اقبال احمد نذیر

35۔دو غزلیں — منیر سیفی، محمد شوکت علی شوکت

36۔اپنا گھر، اپنا گاؤں، اپنا دیش — اجمل محسن (ایڈوکیٹ)

39۔احساس کا قتل — محمد طارق

40۔وہ سہارا مل گیا — فوزیہ کوثر

41۔ایک غزل — محسن عظیم انصاری

42۔افسانچے — صادق علی انصاری، ایڈوکیٹ حبیب ریتھ پوری

غزلیات

43۔ڈاکٹر سیفی سرونجی، کے انیس اظہر، م سرور پنڈولوی، محمد اظہر رسول، قیصر واحدی، محمد آصف

44۔محمد ہارون سیٹھ سلیم، شکیل سہسرامی، منیر ارمان نسیمی، محمد ممتاز شعور، شاہنواز انصاری، عارف محمد عارف

45۔اجمل محسن، عبدالحئی پیام انصاری، ڈاکٹر نلنی وبھا نازلی، نعمت رضوی، حافظ کرناٹکی، محبّ الرحمٰن وفا

46۔حمید عکسی، عظیم الدین عظیم، شمس الحق شمس (ایڈوکیٹ)، ساغر ملارنوی، شارق ریاض، سمیع احمد ثمر

47۔کتابوں کے شہر میں ‹تبصرے›

مبصرین: عبدالمتین جامی: سعید رحمانی

52۔طرحی مشاعرہ

54۔ادب پیما (ادبی وثقافتی خبریں)

56۔متفرقات

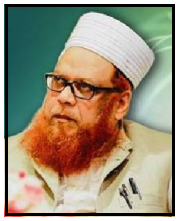

علامہ حضرت سید اولادِ رسول قدسی مصباحی (امریکہ)
سرپرست ادبی محاذ

نعتِ پاک

ہے رحمت کا چھاگل نمایاں نمایاں
چھٹا غم کا بادل نمایاں نمایاں

مظالم کے تپتے ہوئے جنگلوں میں
ملا حق کا صندل نمایاں نمایاں

وہابی سے محتاط آنکھوں سے ورنہ
چرا لے گا کاجل نمایاں نمایاں

غبارِ درِ شاہِ کون و مکاں کو
تو آنکھوں سے لے مل نمایاں نمایاں

ہے اس دور میں مسلکِ اعلیٰ حضرت
رہِ حق کی مشعل نمایاں نمایاں

نہ سمجھے جو شان ان کی قرآن پڑھ کر
ہے جاہل وہ پاگل نمایاں نمایاں

درِ مصطفےٰ کو بنایا خدا نے
گناہوں کا مقتل نمایاں نمایاں

ہوا ان کا کرم پل میں بن جائے گلزار
جفاؤں کی دلدل نمایاں نمایاں

سلامت رہے بدعتوں کی ہوا میں
شریعت کا کمبل نمایاں نمایاں

شفاعت کی چادر سے لپٹا ہوا ہے
قیامت کا ہر پل نمایاں نمایاں

ملی بسترِ دردِ فرقت میں ان کی
عنایت کی مخمل نمایاں نمایاں

ہے یہ شرط قدسؔی محبت کے سر پر
ادب کا ہو آنچل نمایاں نمایاں

نعتِ پاک

رضائے خدا کی یہ صورت بہت ہے
ہمارے لیے ان کی سنت بہت ہے

جہاں کے اصولوں سے کیا ہم کو مطلب
نبی کی منظم شریعت بہت ہے

نہیں چاہئے رہبری تیری واعظ
ہمیں ان کی روشن ہداہت بہت ہے

اگر دل میں ہے شوقِ دیدارِ جنت
تو شہرِ نبی کی زیارت بہت ہے

انھیں دیکھ لوں اک نظر موت کے وقت
بس اتنی سی مل جائے مہلت بہت ہے

ہے ان کی ثنا میں شب و روز غلطاں
مری فکر کی یہ عبادت بہت ہے

رہے اولیا سب کے سب اہلِ سنت
یہ حقانیت کی علامت بہت ہے

نبی کی غلامی کا ہے تاج سر پر
فقیری میں یہ بادشاہت بہت ہے

پکارا ہمیں امتی کہہ کے ہردم
یہ ہم پر نبی کی عنایت بہت ہے

اگر ہم کو مل جائے دھول ان کے در کی
یہی زندگی کی سعادت بہت ہے

ہیں محفوظ اب تک عذابِ خدا سے
مخالف پہ ان کی یہ رحمت بہت ہے

ہیں تابانیاں ان کے جلوؤں کی پیہم
مرے خانۂ دل کی زینت بہت ہے

ہم ان کے ہیں اور وہ ہمارے ہیں قدسؔی
حضورِ خدا میں یہ نسبت بہت ہے

غزل

غم کے دریا میں تیرتی ہے بطخ
آہ پہ آہ بھر رہی ہے بطخ

ہو کے انجام سے یہ بے پروا
لہر کے ساتھ لڑ پڑی ہے بطخ

اس کو تم بے وقوف مت سمجھو
سب کی باتیں سمجھ رہی ہے بطخ

کوئی مونس نظر نہیں آتا
دلدلوں میں پھنسی ہوئی ہے بطخ

راز میں فاش کر نہیں سکتا
ہاں قسم مجھ کو دے گئی ہے بطخ

تجربہ کچھ نہیں ہے اس کو ابھی
وقت کی نہر میں نئی ہے بطخ

بلبلے سے بھی کانپ جاتی ہے
یہ نہ کہئے بڑی جری ہے بطخ

مڑ کے پیچھے یہ دیکھتی ہی نہیں
اپنے ہی کام پر لگی ہے بطخ

قدسی ماچس کی تیلیوں کی طرح
دردِ فرقت میں ادھ جلی ہے بطخ

غزل

درد کی مکڑی کی یہ حرکت ہے خاص
رکھنا الجھا کر سدا عادت ہے خاص

لائقِ مدحت ہے بارش کا عمل
سب کو دینا فائدہ فطرت ہے خاص

کارفرما گر ہو جذبہ شکر کا
زیست کے نیموں کی بھی لذت ہے خاص

جس کی کوتاہی سے نالاں سب رہے
اس کو دفتر سے ملی رخصت ہے خاص

ہر نظر میں عام ہے صورت کا حسن
باغِ سیرت کی مگر زینت ہے خاص

گوہرِ نایاب کی تنویر میں
قطرۂ ناچیز کی محنت ہے خاص

دو جہاں کے واسطے ان کا وجود
خالقِ کونین کی نعمت ہے خاص

خوش نصیبوں کو فقط ملتی ہے یہ
یاسمینِ ہجر کی نکہت ہے خاص

ان سے چاہت کی سند مل جائے کاش
بس یہی قدسؔی کی اک حسرت ہے خاص

جناب سید خادمِ رسول عینیؔ (بھساول۔جلگاؤں)

سرپرست ادبی محاذ

نعتِ پاک

کیا کہیں ان کی صورت کی ہم عمدگی
اس پہ قربان ہے چاند کی چاندنی

میرے اعمال نامے میں نیکی بڑھی
میں نے کی جب کبھی نعتیہ شاعری

محو ہیں مدحِ آقا میں قلب و جگر
نعت گوئی ہے سرمایۂ زندگی

دیکھ کر دورِ شاہِ زمن کا نشاں
اپنی قسمت پہ نازاں ہے چاند آج بھی

ٹھوکرو! تم ہی کھاتے رہو ٹھوکریں
ساتھ میرے ہدایت کی ہے روشنی

بلبلِ سدرہ حیران و ششدر رہے
جب بڑھے آگے سدرہ سے رب کے نبی

ان کی لاثانیت کا ہے یہ بھی ثبوت
سایۂ جسم ہے اور نہ ہوگا کبھی

سیرتِ شاہ کے پھول یکتا لگے
ہم نے جب نعت کے باغ کی سیر کی

عینیؔ لاترفعوا کا تقاضا ہے یہ
ان کے در پر ہو ملحوظ ادب ہر گھڑی

نعتِ پاک

دینِ اسلام کا ضابطہ ہے الگ
خوب تر اس کا ہر فلسفہ ہے الگ

دین و دنیا میں اس کا ہے درجہ بلند
نعت گوئی کا یہ مشغلہ ہے الگ

روز و شب کرتی ہے ان کے در کا طواف
میری تخئیل کی فاختہ ہے الگ

مل گیا بو ہریرہ کو فیضانِ خاص
اس لیے آپ کا حافظہ ہے الگ

یوں تو آقا کے ہیں معجزے بے شمار
ان کا قرآں مگر معجزہ ہے الگ

ان کی انگشت سے آبِ جو بہہ گیا
سارے پانی میں اس کا مزہ ہے الگ

حضرت آدم نے اس کا سہارا لیا
عینیؔ سرکار کا واسطہ ہے الگ

غزل

نخلِ نخوت کو ہمیشہ بے ثمر رکھا گیا
صبر کے ہر اک شجر کو بارور رکھا گیا

سلسلہ بڑھتا گیا ان کے ستم کا اس قدر
میرے ٹوٹے دل کے آنگن میں حجر رکھا گیا

لگ رہا تھا بھیڑ میں وہ ضوفشاں کچھ اس طرح
درمیانِ نجم جیسے اک قمر رکھا گیا

شک کی عینک جب اتاروگے تو مانوگے ضرور
منصبِ عالی پہ مجھ کو جانچ کر رکھا گیا

درد و غم کی آگ اسی سے ایک دن بجھ جایے گی
ان کے سوزِ عشق میں ایسا اثر رکھا گیا

بحر سے دوری ہے مجھ کو کیسے سیرابی ملے
زیست میں میری سرابِ بے اثر رکھا گیا

روز و شب چوبیس گھنٹے کم پڑے اپنے لیے
اس قدر کیوں وقت عینیؔ مختصر رکھا گیا

غزل

صحنِ دل کے سبھی پھولوں کو جواں رہنے دو
پُر شباب اپنے چمن کا یہ سماں رہنے دو

پھر کبھی سر نہ اٹھا پائیں جہاں کے ظالم
سینۂ ظلم پہ سیدھا سا نشاں رہنے دو

ہو نہ جایے کہیں احساس کا بلبل غمگیں
اس کو رکھو نہ نہاں بلکہ عیاں رہنے دو

تم کو رکھنا ہے تقدس کی فضا گر قائم
دل کی مسجد میں محبت کی اذاں رہنے دو

آبِ عرفاں سے رہیں حق کے مسافر سیراب
اپنے اطراف ہدایت کا کنواں رہنے دو

دل کرو فتح تم اخلاص کی تلواروں سے
نفرت و بغض کے تم تیغ و سناں رہنے دو

درد دروازۂ دل پر نہ دے دستک عینیؔ
مدحِ محبوب سدا وردِ زباں رہنے دو

جناب رفیق وارث مصباحی (جوہانسبرگ جنوبی افریقہ)
سرپرست ادبی محاذ

نعتِ پاک

جو نہ ہو نثار تجھ پر وہ جگر جگر نہیں ہے
جسے دید ہو نہ تیری وہ نظر نظر نہیں ہے

ترے جیسے کوئی مولا نہ ہوا جہاں میں پیدا
تری سروری کے آگے کوئی تاجور نہیں ہے

میں سناؤں کس کو عرضی کوئی کیوں سنے گا میری
ترے ماسوا جہاں میں کوئی اور در نہیں ہے

تری رحمتوں کے بادل مرے ساتھ ہیں مسلسل
ترے رہتے گردشوں کا، مجھے کچھ ضرر نہیں ہے

ترا قول قولِ رب ہے ترا حکم حکمِ رب ہے
ترے جیسے میرے آقا کوئی بااثر نہیں ہے

ہوا گر یقین کامل، تو طلب بھی ہوگی حاصل
یہاں شک اگر مگر کی کوئی رہگزر نہیں ہے

ترے نور سے اے آقا مرا تیرہ بخت چمکا
ترے جیسا دو جہاں میں کوئی راہبر نہیں ہے

ترے آستاں نے بھر دی مری جھولیاں یہ خالی
ترا در ہے میرا حامی، مجھے کوئی ڈر نہیں ہے

تری نکہتوں سے مہکا، چمن جہاں کا خطہ
ترا نور فیض مولا کہاں جلوہ گر نہیں ہے

شہہِ دیں کی نعت کہنا ہے وظیفہ میرا وارثؔ
کوئی اور اس سے بڑھ کر مرا ہم سفر نہیں ہے

غزل

جمالِ صبر کا مجھ کو وہ شاہکار لگا
غموں کی دھوپ میں رہ کر بھی غم گسار لگا

بچھڑ چکا تھا جو ممتا سے زر کی خواہش میں
وہ آج اپنی کمائی پہ شرمسار لگا

مٹا کے ذہن سے اب جہل کے نشانوں کو
تو دل میں علم کے پودوں کو پائیدار لگا

نگاہِ ارض میں سورج ہو سود مندی کا
فلک کے صحن میں ایسا تو کاروبار لگا

بٹھا لے اپنے لبوں پر تو صدق کے پہرے
زبانِ کذب پہ نشتر ہزار بار لگا

جو بھیک مانگتا پھرتا تھا گاؤں میں گھر گھر
لباسِ فقر میں مجھ کو وہ تاجدار لگا

نہ جانے کیوں مجھے ہر لمحہ ان کی فرقت کا
دل و نگاہ کے درپن میں خوشگوار لگا

تھا میری موت کا شدت سے انتظار جسے
وہی مرض میں مرے آج بے قرار لگا

لحد نے مجھ کو یہ کہہ کر دبا لیا وارثؔ
''زہے نصیب کہ تیرا سفینہ پار لگا''

نعتِ پاک

ان کی خوبی کا حال کیا کہنا
ہیں وہ جانِ کمال کیا کہنا

حسنِ آقا سے تابشیں لے کر
سرخ ہے مہہ کا گال کیا کہنا

مسکرائے تو کہہ اٹھی سوزن
ان کا نور و جمال کیا کہنا

یومِ میلاد کی ضیاؤں سے
شاد ہیں ماہ و سال کیا کہنا

ان کے فضل و کرم سے خلقت نے
اوڑھی راحت کی شال کیا کہنا

گرم ریتوں کی لذتیں پاکر
خوش ہے عشقِ بلال کیا کہنا

غم کی شب کے اداس لمحوں کو
دے گیا وہ اجال کیا کہنا

جب وہ سنتے ہیں دل کی دھڑکن کو
ان سے پھر اپنا حال کیا کہنا

ان کے اصحاب شر کے نرغے میں
تھے سدا حق کی ڈھال کیا کہنا

شاہِ کونین کے تحفظ میں
مکڑیوں کا وہ جال کیا کہنا

کہہ رہا ہے فلک سے کوہِ حرا
حال یہ ہے تو قال کیا کہنا

ان کی انگشت کے اشارے پر
سرنگوں ہے ہلال کیا کہنا

ان کی نسبت سے مل گئی وارثؔ
ابنِ حیدر کی آل کیا کہنا

غزل

مہر و مہہ کی ناچاقی دیر تک نہیں رہتی
دن کی رات سے دوری دیر تک نہیں رہتی

کاغذوں کی تیراکی دیر تک نہیں رہتی
کھوکھلی یہ فنکاری دیر تک نہیں رہتی

آج گہن کی چادر مہہ نے تن پہ ڈالی ہے
ورنہ شب کی تاریکی دیر تک نہیں رہتی

میرے دل کے ہو جاتے رابطے اگر ان سے
تارِ غم کی آزاری دیر تک نہیں رہتی

چڑھتے دن کے سورج سے ڈھلتی شام کہتی ہے
گرم لو کی تیزابی دیر تک نہیں رہتی

سوکھے سوکھے پیڑوں کی کہہ رہی ہے ویرانی
جبر کی شجر کاری دیر تک نہیں رہتی

کچھ نہ کچھ تو خطرہ ہے لہلہاتے گلشن کو
ورنہ ایسی خاموشی دیر تک نہیں رہتی

صبحِ کیف آئے گی کیوں اداس بیٹھے ہو
شامِ غم کی تاریکی دیر تک نہیں رہتی

زندگی کا ہر لمحہ بلبلہ ہے پانی کا
عیش کی یہ سیلانی دیر تک نہیں رہتی

اپنے دل کی تختی پر دستِ فکر سے لکھو
دوستی رئیسوں کی دیر تک نہیں رہتی

رشتۂ اخوت پر زر کی لگ گئی نظریں
اس لیے صلہ رحمی دیر تک نہیں رہتی

جو جمالِ دنیا پر اپنا ہوش کھو بیٹھے
اس میں شانِ حق گوئی دیر تک نہیں رہتی

صبحِ عدل کہتی ہے جورِ شب سے یہ وارثؔ
ظلم کی قلا بازی دیر تک نہیں رہتی

محاذِ اول

قاضی مشتاق احمد
پونے

طویل عرصے کی جنگ میں جذبۂ فکر ہمیشہ تلوار پر فتح پایے گا

اخباری خبروں کے مطابق علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے لوگو (Logo) آیت علم الانسان عالم یعلم کو ہٹادیا گیا ہے۔ ۱۹۴۱ء میں جب اے ایم یو کے وائس چانسلر ڈاکٹر حسین تھے اس وقت لوگو (مونوگرام) میں موجود ملکہ وکٹوریہ کے تاج کو ہٹا کر قرآنی آیت کو علم الانسان عالم یعلم (ہم نے انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا) شامل کیا گیا تھا۔ کسی بھی تعلیمی ادارے کا پرچم یا لوگو اس کی شان اور پہچان ہوتا ہے جس کو بڑی شان وشوکت کے ساتھ ہر کتاب، سرکولیشن، پوسٹر، دعوت نامہ اہم اور تاثراتی تقاریب میں استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن گزشتہ کچھ برسوں سے لوگو میں موجود آیت علم الانسان عالم یعلم ڈھونڈنے سے بھی نہیں دکھائی دیتی۔ مسلم یونیورسٹی کے سابق نائب صدر حمزہ سفیان نے کہا ہے کہ یہ سب ایک سازش کے تحت کیا جارہا ہے۔ انھوں نے مزید کہا ہے کہ میں آپ کو بتادوں کہ یہ سب بھول مجھ سے نہیں بلکہ ایک سازش کے تحت ہورہی ہے۔ اس یونیورسٹی سے اردو کو مٹایا جارہا ہے بلکہ یونیورسٹی کی تاریخ کو بھی مٹایا جارہا ہے۔ اس وقت اس یونیورسٹی کو بچانے کی ضرورت ہے۔ اے یو ایم کے ترجمان پروفیسر شافع قدوائی نے بتایا کہ ۲۰۱۰ء میں یونیورسٹی کی ایکزیکیوٹیو کاؤنسل (ای سی) میں ایک ریزولیشن پاس کیا گیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ یونیورسٹی کا جو مونوگرام ہے اور جس میں قرآنی آیت موجود ہے اس کو دو طرح سے بنایا جایے۔ جن چیزوں کو زمین پر پھینکے جانے کا خطرہ ہے ضائع ہونی ہے۔ اس پر مونوگرام میں موجود قرآنی آیت کی جگہ پانچ ستارے استعمال کیے جائیں۔

نئی نسل کی معلومات کے لیے یہ لکھنا ضروری ہے کہ بانی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے جن حالات میں اس کی بنیاد رکھی اور بڑی مخالفتوں کے باوجود ہمت نہیں ہاری اس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگِ آزادی میں شکست کے بعد مغلیہ حکومت کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ انگریزوں کی حکومت میں مسلمانوں کو باغی قرار دے کر ان پر مظالم ڈھائے گئے۔ مسلمانوں کا مستقبل تاریک ہوگیا تھا۔ ان حالات سے مقابلہ کرنے کے لیے سرسید نے جدید تعلیم کی ضرورت کو لازمی تصور کیا۔ وہ اس ضرورت کو بخوبی سمجھتے تھے۔ انھوں نے لندن کا سفر کیا اور وہاں کی مشہور علمی درس گاہوں کا طریقِ کار اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ بہترین مدبر، مفکر اور دور اندیش انسان تھے۔ انیسویں صدی میں ان کا پیدا ہونا مسلمانوں کے لیے نعمت تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کو نہ صرف سیاسی طور پر تیار کیا بلکہ سماجی، مذہبی، ذہنی، فکری، تہذیبی، علمی اور ادبی میدان میں بھی رہنمائی کی۔ کہتے ہیں ہزاروں کی فوج بنانا کوئی مشکل کام نہیں لیکن اس کی رہنمائی کے لیے ایک قائد کی تلاش بہت مشکل کام ہے۔ انھوں نے اپنے اصلاحی مشن میں مخالفتوں کا سامنا کیا۔ ان کے خلاف فتوے صادر کیے گئے۔ انھیں انگریزوں کا پٹھو کہا گیا۔ لیکن انھوں نے ان باتوں کی پروا نہیں کی اور مسلسل آگے بڑھتے رہے۔ ان کے نزدیک وہ تعلیم مردہ جسم کی طرح ہے جو فہم وادراک سے خالی اور اخلاق سے عاری ہے۔ ان کے فلسفے میں لڑکوں کے لیے دائیں ہاتھ میں فلسفہ اور بائیں ہاتھ میں سارے علوم اور سر پر کلمۂ حق کا تاج رکھنے کی بات کہی گئی ہے تاکہ دنیا میں بھی سرخروئی نصیب ہوسکے۔ سرسید کا تصورِ تعلیمِ نسواں یہ ہے۔ تعلیم کے ذریعہ ہی عورت اپنے معاملات زندگی کو بہترین انداز میں ڈھال سکتی ہے۔ انھوں نے ایک تقریب میں مسلم خواتین سے کہا تھا: ''یہ سچ ہے کہ ہم مردوں میں شبلی اور جنید موجود ہیں مگر خدا کا شکر ہے کہ تم میں بھی لاکھوں ہزاروں رابعہ بصری موجود ہیں (محمد ابن زبیرہ مسلم خواتین کی تعلیم ص ۵۸)

انگریزوں کے تسلط سے نجات دلانے اور باوقار زندگی گزارنے کے لیے حصولِ علم کی جانب متوجہ کیا اور اس کے لیے ایک معیاری درس گاہ بنانے کا خواب دیکھا۔ ۱۸۵۷ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج قائم کیا جسے ۱۹۲۰ء میں یونیورسٹی کا درجہ ملا۔ سرسید احمد خاں کی اس عظیم دانش گاہ سے سیاسی، سماجی، سائنسی، صحافی، ادبی، ثقافتی شعبوں کے تاریخ ساز کارنامے انجام دینے والے سیکڑوں کی تعداد میں فارغین موجود ہیں۔ ڈاکٹر قادری کی بنائی فہرست میں جو نام ہیں انھوں نے مختلف میدانِ عمل میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ چند نام حسبِ ذیل ہیں: خان عبدالغفار خاں (سرحدی گاندھی)، شیخ عبداللہ (شیرِ کشمیر)، ایوب خاں، لیاقت علی خاں (پاکستان)، ڈاکٹر ذاکر حسین (ملک کے دوسرے صدرِ جمہوریہ)، حامد علی انصاری (ملک کے بارھویں نائب صدر)، رفیع احمد قدوائی (ہندوستان کے سب سے کامیاب وزیرِ خوراک)، اسرار الحق مجاز، علی سردار جعفری، راہی معصوم رضا، سعادت حسن منٹو، خواجہ احمد عباس، حبیب تنویر، ظفر علی، عصمت چغتائی، جاں نثار اختر، قرۃ العین حیدر، جاوید اختر، نصیر الدین شاہ (علمی، ادبی، فلمی مشغولیات)۔

عصرِ جدید میں سرسید احمد خاں وہ واحد رہنما ہیں جنھوں نے جہالت، تشدد، سماجی پسماندگی کا مقابلہ تلوار کی بجائے شعور سے کیا۔ فرانس کے نپولین بوناپارٹ کا مشہور قول ہے: ''طویل عرصے کی جنگ میں جذبۂ فکر ہمیشہ تلوار پر فتح پایے گا''۔ حالیہ زمانے میں تعلیمی اداروں میں غنڈہ گردی کے خلاف آواز اٹھانے والی کارگل شہید مندیپ سنگھ کی بیٹی گرمہر کور نے فسطائی عناصر کی تنقیدوں کی زد میں آنے پر اپنے مخالفین کو جواب دینے کے لیے ٹوئٹر پر کہا تھا: ''کبھی کبھی جو بات سب سے زیادہ بدیہی اور آسان طریقے سے کہی جاتی ہے اس کی تشریح سب سے مشکل ہوتی ہے''۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے خلاف چلائی جانی والی مہم کا بھی یہی جواب ہے۔ (جوابِ جاہلاں باشد خموشی)

☆☆☆

حمد و نعت

عبدالمجید فیضی
12/106,Nayapara
Sambalpur-768001(Odisha)

حمد باری تعالیٰ

خالقِ کُن فکاں، مالکِ دو جہاں — تیری تخلیق ہے کہکشاں کہکشاں
ہے ہوا اور پانی سے ہی زندگی — تیری رحمت کا دریا ہے ہر سو رواں
ہیں ثُلاثہ موالید خلقت تری — جن کے دم سے ہے آباد سارا جہاں
ہر نظارہ ہے عالم کا بہجت فزا — حسنِ فطرت کا ہر سمت جلوہ عیاں
غابہ، کوہ و دمن مرغزار و چمن — وادیٔ دشت و در دل نشیں ہر سماں
بالیقیں ناپدید اور آگو چر ہے تو — یعنی غیب الغیوب اے خدائے جہاں
جنّ و انس و ملک اور مواشی وحش — سب کا معبود تو، سب کا روزی رساں
سید المرسلیں، احمدِ مجتبیٰ — تیرے محبوب ہیں شافعِ عاصیاں
تو نے دینِ محمد کی تکمیل کی — دینِ اسلام تیری رضا بے گماں
عالمی جنگ کے پیدا آثار ہیں — کر عطا نوعِ انساں کو امن و اماں
اک نگاہِ کرم سوئے فیضی بھی ہو — تیرے الطاف سے مستفیض انس و جاں

صابر کاغذنگری
H.No:1-3-35/B,NearOldRailway
Gate.SanjivaihNagar.Sirpur
Kaghaznagar.K.C.Asifabad
Dist:Telangana

نعتِ پاک

افکار کے کردار کے انمول نگینہ — محبوبِ الٰہی ہیں شہنشاہِ مدینہ
امت کو ہے امید فقط آپ سے شاہا — محشر میں لگا دیجئے گا پار سفینہ
اپنائیں اگر اسوۂ حسنہ ہی نبی کا — امت کے لیے ہوگا یہ فردوس کا زینہ
بیکس و یتیموں کے رہے آپ مددگار — سرکارِ مدینہ مرے سرکارِ مدینہ
قرآن و سنت کا فہم ہم کو ہو یارب — مل جایے مقدر میں تدبر کا خزینہ
مہکا ہے جو سرکارِ دو عالم کے بدن میں — لاریب وہ خوشبو سے معطر ہے پسینہ
صابر جو چلا کرتے ہیں سیرت کی نہج پر — رکھتے ہیں وہی لوگ ہی جینے کا قرینہ

سید ریحان حسن
Flat.NO-304, Block-6.HeritageEstate
DodaballapuraRoad.Yelahanka
Bangalore-560064

دعا

اتنی توفیق دے ہم کو مولا تیرے گھر کی زیارت کریں ہم
جا کے طیبہ نگر میں کسی دن ذکر و فکر و عبادت کریں ہم
موجزن ہے ہمارے دلوں میں خدمتِ دین کا ایک جذبہ
اتنی طاقت ہمیں دے اے مولا اپنے دیں کی حفاظت کریں ہم
روز و شب ہونٹ کے ساحلوں پر نام ہو سرورِ دو جہاں کا
ذکر تیرا بھی صبح و مسا ہو اور دل سے تلاوت کریں ہم
راہِ سنت پہ چل کر ہمیشہ ہے یہ خواہش سنواریں گے قسمت
ہو بزرگوں کی عزت بھی دل سے اور چھوٹوں پہ شفقت کریں ہم
تجھ سے ریحاں کی یہ التجا ہے اتنی توفیق تو ہم کو دینا
لب پہ نامِ نبی ہو ہمارے جب بھی دنیا سے رحلت کریں ہم

سبطین پروانہ
Dilalpur.P.O:Salmari
Kathar-311558(Bihar)

نعتِ پاک

ذرّہ ذرّہ روشنی پاتا ہے جس کے نور سے
رشکِ فردوسِ بریں طیبہ ہے جس کے نور سے
کہکشاں، شمس و قمر، تاروں میں جس کا نور ہے
روشنی ہر دو جہاں پاتا ہے جس کے نور سے
بالیقیں نورِ خدا وہ بالیقیں ہے نورِ عین
وقتِ ہر شام و سحر چمکا ہے جس کے نور سے
نورِ اول ہے وہی اور نورِ آخر بھی وہی
آج روشن خانۂ کعبہ ہے جس کے نور سے
استفادہ کر رہے ہیں سب اسی کے نور سے
کانچ کا ٹکڑا بنا ہیرا ہے جس کے نور سے
نور کے پیکر کی صورت آیے ہیں پروانہ وہ
یہ اجالا ہر طرف پھیلا ہے جس کے نور سے

اسحاق انورؔ
Ar/P.O:Rasulpur.Via:Lataharan
Dist:Puri-752119(Odisha)

نعتِ پاک

دامن رسولِ پاک کا ہے جس کے ہات میں
رحمت خدائے پاک ہے اس کے سات میں
وہ بے نظیر بھی ہیں بہت بے مثال بھی
ثانی نہیں ہے ان کا کوئی کائنات میں
یوں تو خدا نے پیدا کیا ہے ہرایک کو
افضل ترین کیا انھیں انساں کی ذات میں
محشر کے روز ان کی شفاعت کی ہے امید
ہم عاصیوں کی لاج محمد کے ہات میں
انور بیان کیا کروں میں ان کی خوبیاں
قرآنِ پاک اترا ہے جن کی صفات میں

عظیم الدین عظیمؔ
Plot.No:78/427,LotusGarden
Jadupur.Bhubaneswar-751019

نعتِ پاک

میرے دل میں ہے بسی الفت رسول اللہ کی
ہر کسی پر عام ہے رحمت رسول اللہ کی
آپ کی سنت پہ چل کر یہ شرف اس کو ملا
خیرِ امت بن گئی امت رسول اللہ کی
چاندتارے بھی کیا کرتے ہیں ان سے کسبِ نور
منبعِ انوار ہے صورت رسول اللہ کی
ہے کلامِ مصطفےٰ بھی ربِ عالم کا کلام
حاصلِ قرآن ہے سیرت رسول اللہ کی
ہوں علیؓ عثمانؓ عمر اور بوبکر
ان کو بھی حاصل رہی صحبت رسول اللہ کی
آ گیا ہوں ان کی چوکھٹ پر خمیدہ سر عظیمؔ
کھینچ لائی ہے مجھے چاہت رسول اللہ کی

حمید عکسی
H.No:14-6-39,Nizampura
MandiBazar.Warangal-506002(T.S)

نعتِ پاک

ہے مدینے کا عزمِ سفر یا نبی
مجھ پہ ہو لطف کی اک نظر یا نبی
قبر میں آئیں گے جبکہ منکر نکیر
نام ہو آپ کا ہونٹ پر یا نبی
کب تلک ہند میں رہ کے تڑپا کروں
ہو توجہ خدارا ادھر یا نبی
خوشبوؤں سے مہکتی ہے وہ آج بھی
جو ہوئی آپ کی رہگزر یا نبی
آپ ہیں اولیں، آپ ہیں آخری
ختم پیغمبری آپ پر یا نبی
آپ کی چشمِ رحمت کی ہے جستجو
خیرِ امت ہیں، خیر البشر یا نبی
جس چٹائی پہ آرام فرما رہے
منزلت اس کی ہے کس قدر یا نبی
نعت لکھتا رہوں، نعت پڑھتا رہوں
زندگی ہو مری یوں بسر یا نبی
یوں تو رہتے ہیں عکسیؔ کے دل میں سدا
قبر میں بھی ہوں پیشِ نظر یا نبی

ساغر ملارنوی
At/P.O:MalarnaDoonger
Dist:SawaiMadhopur.Rajasthan

نعتِ پاک

آپ آیے ہوئی دور سب بے کلی
ہوگئی کتنی پُر نور دل کی گلی

ابرِ رحمت کی نوری گھٹا چھا گئی
پل میں دنیا سے اندھیارا چھٹتا گیا
آپ آیے تو فصلِ بہار آ گئی
کفر مٹتا گیا، ظلم گھٹتا گیا
چار سو دہر میں شمعِ عرفاں جلی
باطل ایوان میں مچ گئی کھلبلی
ہوگئی کتنی پر نور دل کی گلی
ہوگئی کتنی پُر نور دل کی گلی

بے کسوں کے مددگار بھی آپ ہیں
آ گیا حق، زمانے سے باطل گیا
بے سہاروں کے غم خوار بھی آپ ہیں
مرحبا، مرحبا، مرحبا
غم کے ماروں کے دل کی کھلی ہر کلی
سارے عالم میں ساغرؔ صبا ہے چلی
ہوگئی کتنی پُر نور دل کی گلی

☆☆☆

گوشۂ احباب

(مراسلہ نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں)

☆عبدالسلام کوثر (راجند گاؤں۔چھتیس گڑھ

ادبی محاذ میں اپنی نظم ''انسانیت کے دشمن'' دیکھ کر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔خوشی اس لیے نہیں کہ نظم شائع ہوئی بلکہ اس لیے ہوئی کہ میرے جذبات اہل سخن حضرات تک،عوام تک پہنچ گئے۔آپ تو بخوبی واقف ہیں کہ کورونا کے نام سے جو ہماری قوم پر رکیک حملے ہوئے،گالی گلوچ تک بات پہنچ گئی! کورونا جہاد کا شوشہ چھوڑا گیا۔اس سے پوری قوم خوف کے سایے میں سانس لے رہی تھی۔افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس جان لیوا ماحول میں مسلمانوں کے نیتاؤں کو بھی سانپ سونگھ گیا تھا۔مزید افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے علماء نے کوئی بیان جاری نہیں کیا۔دنیا بھر کے عالمِ دین،شہزادۂ سمنان،امینِ شریعت،غازیٔ ملت سب کے سب خاموش رہے۔یہ تو طے ہے کہ مسلمانوں کے حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جارہے ہیں۔انہیں اللہ کا خوف نہیں بلکہ آر۔ایس۔ایس کا خوف ستا رہا ہے۔میری یہی نظم لوکل اخبار (ہندی) میں شائع ہوئی تو کچھ شر پسند اخبار کے دفتر پہنچ گئے تھے۔مجھے مارنے کا پلان تھا۔میرے پاس فون آیا تھا کہ میں گھر سے باہر نہ نکلوں۔حالانکہ کچھ ہوا نہیں۔ایک دن نماز کے بعد ایک صاحب کہنے لگے سلام صاحب !ایسا مت لکھا کرو ان کافروں کا زمانہ ہے۔میں بری طرح سے بھڑک گیا اور مختصراً یہی کہا کہ ڈرنے کی کیا بات ہے۔غلط بات کا احتجاج کرنا ضروری نہیں ہے کیا؟ آپ لوگ پوری زندگی کافروں کا ملک ہے کہتے ہوئے خود تو کائر بنے اور اپنی نسل کو بھی یہی کہتے ہوئے مفلوج کر چکے ہیں۔یقین مانئے مجھے بہت افسوس ہوتا ہے مسلمانوں کی حالت پر۔یہ قوم صحیح راہ آ ہی نہیں سکتی۔بس میٹھا میٹھا ہے میرے محمد کا نام.....میرا پیغمبر عظیم تر ہے،اچھل کود کرتے ہوئے نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کہتے ہوئے دن گزارنے کے علاوہ ہماری قوم کے پاس کوئی اور دھندہ نہیں رہ گیا ہے۔جبکہ جینے کے لئے دنیاداری اور دین داری دونوں ضروری ہیں۔آج کا مسلمان نہ تو دین دار ہے اور نہ دنیادار ہے۔میرا اپنا ایک شعر ہے۔

ہزاروں ٹھوکریں کھا کر بھی حیرت ہے مسلماں کو
جہاں بینی نہیں آئی، جہاں داری نہیں آئی

ہم ایسے حساس لوگوں کے پاس سوائے افسوس کرنے اور اکیلے بیٹھ کر اپنے بچوں کے مستقبل کو سوچ سوچ کر آنسو بہانے کے سوائے کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔اپنا ہی ایک اور شعر سنا کر اجازت چاہوں گا۔

جو سو رہے ہیں جگانا انھیں نہیں مشکل
جو جاگتے ہیں انھیں کس طرح جگاؤں میں

خط کے ساتھ چند قطعات رکھ رہا ہوں۔امید ہے حوصلہ افزائی ہوگی۔

☆عثمان غنی (چنئی)

ادبی محاذ کے اکتوبر تا ڈسمبر ۲۰۲۰ء کے شمارے میں آپ نے جناب صابر سیوانی کا ایک مضمون !''امعان'' کے تناظر میں ڈاکٹر قطب سرشار کی فکرو آگہی کے عنوان سے شائع کیا ہے وہ بہت پسند آیا۔

کل ۱۶۶ صفحات پر مشتمل کتاب ''امعان'' کا جو تعارف مضمون نگار جناب صابر علی سیوانی نے عظیم شعراء غالبؔ،اقبالؔ،مجاہد آزادی اور بے مثال دانشور جناب ابوالکلام آزاد جیسے مشاہیر کے بارے میں جو لکھا ہے اس کو دیکھنے کے بعد یہ کتاب پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔برائے کرم یہ کتاب امعان ایک عدد V.P.P کے ذریعہ میرے پتہ پر روانہ فرمائیں۔انشاءاللہ میں اس کی قیمت ادا کر کے کتاب حاصل کرلوں گا۔تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔

(نوٹ:۔کتاب کے خالق ڈاکٹر قطب سرشار صاحب کو اطلاع دے دی گئی ہے۔امید ہے وہ آپ کو ''امعان'' ارسال کریں گے۔)

☆انیس منیری (احمد آباد)

گزارش ہے کہ ادبی محاذ کافی دن ہوئے مل چکا تھا۔جواب میں تاخیر محض لاک ڈاؤن کے بعد جن ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہونا پڑا وہ کم از کم میرے لئے ناقابل بیان ہے۔ادبی محاذ میں جناب نے میری نعت شریف نیز غزل شائع فرمائی۔اس کے لئے میں جناب کا متشکر وممنون ہوں۔دعا ہے کہ رب تبارک تعالیٰ جناب کو صحت مند وتندرست رکھے،تاکہ جناب ادبی محاذ کے ذریعہ ادب کی خدمت انجام دیتے رہیں۔آپ کی ہمت اور حوصلے کی داد دینی چاہئے کہ جناب نے وقت طلب اور صبر آزما حالات میں بھی ادبی محاذ کو جاری رکھا۔جب کہ کئی ادبی رسالوں کو کرونا نے نگل لیا اور کئی رسالے جاں کنی کے عالم میں ہیں۔ایک غزل برائے اشاعت روانہ خدمت ہے اگر میری غزل ادبی محاذ کے معیار کے مطابق ہو تو اشاعت کا متمنی ہوں ادبی محاذ کا انتظار رہے گا۔

☆سید محمد ابرار (حمیر پور،یوپی)

''شہرِ امکان'' پر تبصرے کے لیے شکریہ۔جناب صابر ادیب صاحب بھوپالی نے ادبی محاذ کی بڑی تعریف کی تھی،ویسا ہی پایا انہوں نے میری

کتاب ''شہرِ امکان'' آپ کے پاس ارسال کی تھی اور زرِ سالانہ بھی انہوں نے بھیج دیا تھا اب ختم ہو چکا ہے لہٰذا دو سال کے لئے دو سو روپے آج ہی ای۔ایم۔او سے بھیج رہا ہوں۔ دو غزلیں بھی منسلک خط ہیں مہربانی فرما کر کسی قریبی اشاعت میں شامل کرنے کی زحمت فرمائیں۔شکریہ فقط سید ابرار (یوپی)

☆**ڈاکٹر ظہیر آفاق** (چنئی)

چند دنوں سے آپ بہت یاد آرہے ہیں۔ دراصل ایک طویل عرصے سے میرے حالات بہت نازک دور سے گزر رہے تھے میری نفسیات میں اچانک ایک بے عنوان تبدیلی سی محسوس ہو رہی تھی

بجھے بجھے سے خیالات
بجھے بجھے سے قیاسات
بجھے بجھے سے تاثرات
بجھے بجھے سے حالات

خود پرستی کی گرتی ہوئی چٹان پر کھڑے انجانے امیدوں کی برفیلی خوش فہمیوں کے جنازہ خانے میں بے آواز بازگشت کو آواز دیتا رہا۔

چلتے چلتے شام و سحر بدلے
حالات کی سرگوشیاں بدلیں
وقت کا تناظر بدلا۔

مزاج کا شعور بدلا.....تو میں اپنے پرانے شب و روز کے حرم خانے میں پہنچ گیا.....تو آپ بہت یاد آئے بہت یاد آئے۔آپ کا خلوص فراواں میری غلط روی پر قہقہے لگا رہا تھا۔میری شرمندگی برف ہوگئی۔

آپ کو کچھ لکھے بغیر میرے سکون کی سحر دامانیاں محروم ہو کر رہ گئی۔ میرے احساسِ شرمندگی کی مودبانہ گذارش ہے کہ ''ادبی محاذ'' میرے نام پھر سے جاری کر دیں۔نوازش خلوص۔سالانہ زر دو سو روپے بذریعہ ایم۔او آپ کو ڈاک سے بھیج رہا ہوں۔میرے لائق کوئی خدمت؟ فقط ظہیر آفاق (چنئی)

☆**ساغر ملارنوی** (راجستھان)

ناچیز کو وہ دن بھی یاد ہے جب چھوٹی سی شکل میں اور اخبارِ اڑیسہ کے نام سے محبوب رسالے کا اجرا عمل میں آیا تھا۔اور دیکھتے دیکھتے وہ ننھا سا پودا بڑا سا تناور درخت بن گیا۔جس کے گھنے سائے سے لاتعداد افراد سکون حاصل کر رہے ہیں۔آج اردو دنیا میں ''ادبی محاذ'' کی دھوم ہے۔ادبی محاذ صرف ایک رسالہ یا ایک جریدہ ہی نہیں ہے یہ تو ایک ادارہ یا ایک جامعہ سے کم نہیں ہے

رسالے کی فہرستِ مضامین میں تمام موضوعات ،تمام عنوانات دعوتِ مطالعہ دیے بنا نہیں رہتے۔گوشے،طرحی مشاعرے،مہمان شاعر'افسانے' منظومات اور غزلیات و مضامین وغیرہ سب ہی دلکشی کا باعث بنتے ہیں۔یہ سب قابلِ صد احترام جناب سعید رحمانی کی انتھک محنت بے باک اور بے لاگ تبصرے اور ان کے حسن اخلاق کی بدولت ہے۔آپ کے پاس محترم آنریبل سر سید احمد خان صاحب سی ایک صاحبِ قلم افراد کی جماعت ہے۔اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔.....ناچیز ساغر ملارنوی

☆**مناظر حسن شاہین** (گیا) بہار

سہہ ماہی جریدے ''ادبی محاذ'' کا شمارہ ۶۷ (جولائی تا ستمبر ۲۱ء) باصرہ نواز ہوا تھا جس کی اطلاع فون پر دے چکا ہوں۔

مذکورہ شمارے کے مشمولات میں ڈاکٹر مظفر مہدی کا مضمون ،قطب سرشار کی غزل کا تجزیاتی مطالعہ (محبوب خاں اصغر) اور بلند پرواز شاعر (ساجد جلالپوری) بطور خاص پسند آئے۔محبوب خاں اصغر صاحب سے تجزیاتی غزل تحریر کرتے وقت دو اشعار میں سہو ہو گیا ہے۔مطلع میں ''راستوں'' نہ ہو کر ''رستوں'' ہونا چاہئے اور حسن مطلع میں ''اگرچہ'' کی بجائے ''گرچہ'' ہونا تھا۔ دونوں جگہوں پر الف زائد ہونے سے مصرعے بحر سے خارج ہو گئے ہیں۔منظور وقار،ڈاکٹر احسان عالم اور ڈاکٹر معین الدین شاہین کے مضامین دیگر رسائل میں پہلے ہی پڑھ چکا ہوں۔ایک ہی تخلیق کو کئی رسائل میں شائع کروانے کا رجحان ادھر کچھ زیادہ ہی فروغ پا رہا ہے۔افسانوں میں ''خوش دامن'' (اقبال سلیم) نے محظوظ و متاثر کیا ہے۔اقبال سلیم کی تحریر ہمیشہ دلکش اور معیاری ہوتی ہے۔ مبارکباد! منظومات پر فی الحال کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتا۔

اس مراسلے سے منسلک اپنی طرحی غزل ''آنے والے موسموں سے بے خبر رکھا گیا'' اور ایک مزید غزل ادبی محاذ کے لئے ای میل سے بھیج چکا ہوں اور اس کی اب نقل بھی منسلک ہے۔اکتوبر تا ڈسمبر کے شمارے میں شامل کر لیں تو عنایت ہوگی۔امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ادبی محاذ ۲۰ء کا زرسالانہ مبلغ سو روپے اپنی بیٹی نیلوفر شاہین کے توسط ۶ ستمبر کو آپ کے بینک اکاؤنٹ میں بھیج چکا ہوں۔رقم موصول ہوگئی ہو تو براہِ کرم فون پر مطلع فرمائیں۔ادبی محاذ کا ممبر مجھے اکتوبر تا ڈسمبر ۲۰۲۱ء شمارے سے بنالیں اور مناظر حسن شاہین کے نام رسالہ تسلسل سے ارسال کرتے رہیں۔جس کے لئے پیشگی شکریہ۔

☆**نذیر احمد یوسفی** (آسنسول)

شعر و ادب کی صالح قدروں کا ترجمان سہہ ماہی ادبی محاذ ایک زمانے سے تشنگانِ علم و ادب کی علمی و ادبی پیاس بجھا رہا ہے اور کافی حد تک کامیاب بھی ہے،اس بات کی شہادت اس موقر رسالے میں چھپنے اور چھپانے والے ادباء و شعرا ہیں جن میں بیش تر علم و ادب کی دنیا کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔

تازہ شمارہ عزیزی سید مجیب الحسن نوابی کے شعری اوصاف سے لبریز ہے،ان کی نعتوں کا تازہ مجموعہ "بام ایجاب" کے تعارف و توصیف میں ادبی محاذ

کے قیمتی صفحات معنون کئے گئے ہیں۔پیش کئے گئے مضامین میں شعری نمونے نہ صرف توجہ طلب ہیں بلکہ ان کا آہنگ بھی کشش آمیز ہے۔عزیزی صاحب نے اپنی نوعمر ونوخیز تازہ شاعری میں نئی سحر خیزی دیکھی ہے تو ادب شناس وادبی ذوق والوں کے لئے تخلیقی حسن کاری بھی ، قاری کو اپنی شعری تابنا کیوں سے ملتفت کرنے کے لئے ایسے مناسب اور متوازن الفاظ وتراکیب کو استعمال کیا ہے کہ اشعار کا تقدیسی حسن اور بڑھ گیا ہے اور لفظ لفظ پڑھنے کے بعد سچائی بھی دل کی آواز اس کی آواز اور ہم سب کی آواز بن کر گہرائیوں میں اتر جاتی ہے۔

شاعر مجیب الحسن نوابی عزیزی کے فن وشاعری اور نعت گوئی پر سات نامور اہل علم وقلم نے ایماندارانہ، جائزہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا ہے کہ روایتی پگڈنڈیوں سے ہوتے ہوئے ان کے نوعمر فنی وفکری، تجربے جدت طرازی کی دہلیز تک آ گئے۔انہوں نے اپنے فکر وآہنگ کو مختلف اسالیب میں برتنے کی بھرپور کو ششیں کی ہیں، ماضی کی مٹھاس لب تک آتی ہے تو حال کی تلخی بھی پیشانی پر شکنیں ڈالتی ہے جیسا کہ شمارہ میں شامل مضامین میں کچھ کمی وبیشی کا اشارہ ہے۔انشاءاللہ تجربات وحوادث کی شکل میں آنے والے دن اس کی بھی بھرپائی کردیں گے۔

مجموعہ کا نہایت سنجیدہ اور معنی خیز نام بھی بھرپور کشش رکھتا ہے۔

صاحب علم وفن اور نعتیہ شعری ادب کے شوقینوں کی پذیرائی ضرور حاصل ہوگی۔

شاعر کا شعروادب سے کم سنی سے رشتہ اور نبی کریم سے محبت، اس بات کا غماز ہے کہ وہ نعتیہ فن وہنر کے تئیں مخلص بھی ہے۔

ہر شمارے میں مخصوص صفحات پر طرح پر کہیں ہوئی غزلوں کی اشاعت کا سلسلہ حسینی ہے۔اس سے مشق سخن کی بھرپور نمائندگی ہوتی ہے۔زیر نظر شمارے میں افسانے مختصر مختصر سے ضرور ہیں۔لیکن زندگی اور زمانے کے بہت سارے سفاک حقائق کو آئینہ کرتے ہیں۔

(نوٹ۔بسمل یوسفی پر آپ کا مضمون محفوظ ہے۔موقع ملتے ہی شایع ہوگا)

☆شکیل سہسرامی (پٹنہ)

اکتوبر دسمبر کا ادبی محاذ موصول ہوا شکریہ۔یہ شمارہ ہر لحاظ سے بہت خوب ہے۔اس میں اپنی غزل اور طرحی غزل دیکھ کر خوشی ہوئی۔سالانہ رقم انشاءاللہ پے ٹی ایم کے توسل سے جلد ہی ارسال کروں گا۔اگلے شمارے کے لیے ایک غزل اور طرحی غزل پیش ہے۔امید ہے شامل کرلیں گے۔جزاکم اللہ خیرفی الدارین۔

☆☆☆

عبرت مچھلی شہری
MohallaKhanzada
MachhliSahaher,Jaunpur-222143
Mob-7618034824

ایک غزل

گھٹن ہے، یاس ہے، بے زاریاں ہیں
یہ عہدِ نو کی سب بیماریاں ہیں
اِدھر ہم لوگ ہیں محوِ تماشا
اُدھر پوری طرح تیاریاں ہیں
ہوا خوشبو کا سودا کر رہی ہے
گلوں کی کیسی یہ لاچاریاں ہیں
نمایاں زہر کے آثار ہیں سب
بدن پر نیلی نیلی دھاریاں ہیں
تعصب، سازشیں، دہشت، تباہی
یہ کیسی کیسی دل آزاریاں ہیں
ہے خالی زندگی فکر و عمل سے
کتابوں سے بھری الماریاں ہیں
تمھیں پہلے سمجھنا چاہیے تھا
ہمارے سر پہ ذمہ داریاں ہیں
مری خاکِ انا کو مت کریدو
ابھی اس میں بہت چنگاریاں ہیں
کسی کی روح شاید جل رہی ہے
فضا میں کیسی یہ سسکاریاں ہیں
ابھی ان آنکھوں کی قسمت میں عبرت
نہ جانے کتنی شب بیداریاں ہیں

عبدالمجید فیضی
12/106,Nayapara
Sambalpur-768001(Odisha)

ہزل

کہیں دنیا میں میرا گھر نہیں ہے
مرے سر پر کوئی چھپر نہیں ہے
نہ ہی دیوار چھت سر پر نہیں ہے
کشادہ کیا مرا یہ گھر نہیں ہے
کرشمہ ہے یہ پی ایم مودی جی کا
کہیں اب ایک بھی مچھر نہیں ہے
بہا کرتی ہیں سڑکوں پر ہی ندیاں
یہ کیا برسات کا منظر نہیں ہے
صفائی مودی جی کی مملکت میں
کہیں سڑکوں پہ اب گوبر نہیں ہے
ہزاروں کتے گلیوں میں پڑے ہیں
مگر لوگوں کو کوئی ڈر نہیں ہے
سبھی گھوڑے ہیں ان کے اصطبل میں
کوئی ٹٹو، کوئی خچّر نہیں ہے
ہزل کہنا نہیں آساں ہے فیضی
اگر طرزِ بیاں بہتر نہیں ہے

ساغر ملارنوی
At/P.O:MalarnaDoonger
Dist:SawaiMadhopur.Rajasthan

کورونا

نام کورونا کا دنیا سے مٹاؤ یارو
میری آواز میں آواز ملاؤ یارو

پاک کرنا کورونا سے گھر آنگن اپنا
اس وبا سے ہے بچانا ہمیں گلشن اپنا
دل میں سب کے یہی جذبہ جگاؤ یارو
میری آواز سے آواز ملاؤ یارو

کوئی ہمدم ہے نہ غم خوار بدولت اس کی
یار سب ہوگئے اغیار بدولت اس کی
خود بچو اوروں کو بھی اس سے بچاؤ یارو
میری آواز سے آواز ملاؤ یارو

یہ کوئی قہرِ الٰہی ہے بلا ہے کیا ہے
کہو ساغرؔ میاں اس غم کا مداوا کیا ہے
اپنے خوبیدہ ضمیروں کو جگاؤ یارو
میری آواز سے آواز ملاؤ یارو

عبدالمجید فیضی
12/106,Nayapara
Sambalpur-768001(Odisha)

کورونا کال

سارے جگ پر چھا گیا دیکھو کورونا کال
چل بسے بچے، جواں، بچ گئے صرف کہنہ سال

کلی یُگ

ستیہ ترے تا، دُواپر بیتے، اب تو کلی یُگ ہے پہچان
کریں کیا صوفی سنت بھلا اب، راج کرے ہے اب شیطان

لے گیا کوّا کان

سن نہیں سکتے بات کوئی کیوں، یا ہیں سن کر بھی انجان
دوڑو دوڑو پکڑو اس کو، لے نہ گیا ہو کوّا کان

گلیاں کوچے

آڑی ترچھی ساری گلیاں، کوچے سارے ناہموار
بچے بالے پرکھوں کو اب چلنا پھرنا ہے دشوار

پرستھیتی گمبھیر

اغوا، عصمت ریزی، خون، مہیلاؤں کی ہے تقدیر
عدل کہاں، انصاف کہاں، پرستھیتی اتیا دھک گمبھیر

نوٹ:۔ یُگ چار ہیں:۔(۱) ستیہ یُگ (۲) ترے تا یُگ
(۳) دواپر یُگ (۴) کلی یُگ

منیر سیفی
PillerNo-49,Samanpura
MalikLane.Patna-800014

اک تشنہ لب سفر میں
ہشتاد سال سے جو
تنہا رواں دواں تھا
شجرِ خزاں رسیدہ
اک دن وہ گر پڑا یوں
54
طوفاں سے لڑتے لڑتے
1496-54=1442ھ

پروفیسر ابنِ کنول
صدر شعبہء اردو، دہلی یونی ورسیٹی

منفرد لب ولہجہ کا شاعر: فریاد آزر

جس طرح اردو افسانوی ادب میں ۱۹۷۰ کے بعد ایک خاص تبدیلی آئی یعنی آٹھویں دہائی کے افسانہ نگاروں نے ایک نئی راہ اختیار کرتے ہوئے خود کو ترقی پسند تحریک اور جدید رجحان سے الگ کر کے اپنی شناخت قایم کی اسی طرح اس دور کے نوجوان شعرا نے بھی اپنی علاحدہ پہچان بنانے کی کوشش کی۔ فریاد آزر ان ہی نوجوانوں میں سے ایک ہیں۔ انھوں نے تقریباً آٹھویں دہائی میں اپنی شاعری کی ابتدا کی اور بہت جلد اپنے منفرد موضوعات کی وجہ سے دہلی کے ادبی حلقوں میں مشہور ہو گئے۔ انہیں بے باک شخص، شاعر و نقاد پروفیسر عنوان چشتی کی ادبی سرپرستی بھی حاصل رہی جس کی وجہ سے ان کے لہجہ میں بے باکی پیدا ہو گئی۔ میں فریاد آزر کو ذاتی طور پر چار دہائیوں سے جانتا ہوں، ان کے یہاں ٹھہراؤ نہیں ہے، خوب سے خوب تر کی جستجو مسلسل جاری رہتی ہے، کچھ کر گزرنے کا حوصلہ ہمیشہ رہتا ہے:

وہ جواں تھا تو بزرگوں کو سمجھتا تھا غلط
اب وہ بوڑھا ہے، جوانوں کو غلط کہتا ہے

فریاد آزر کے اندر جذبات و احساسات کے ابلتے لاوے نے ان کی شاعری میں ایسی تپش پیدا کر دی ہے جو مردہ احساسات کو گرماتی ہے، ان کے اشعار انسان کے اس کرب کی عکاسی کرتے ہیں جن سے آج کا انسان جوجھ رہا ہے:

بے بسی سے مری بے حس نہ سمجھ لینا مجھے
دل میں وہ لاوا ابلتا ہے کہ رب جانتا ہے
لوگ راون کے پنر جنم سے واقف ہی نہیں
کتنے معصوم اسے رام سمجھ بیٹھے ہیں
پھر بیعتِ یزید سے منکر ہوئے حسین
اور ظالموں کی فوج ستم ڈھا رہی ہے پھر
زہر پینا ہی پڑے گا ہمیں اپنا اپنا۔ اب کوئی دوسرا شنکر نہیں آنے والا
وہ امن و آشتی کا نام لے کر۔ جہاں میں اپنا ڈر پھیلا رہا ہے
لوگ یوں ہی نہیں بدنام سمجھ بیٹھے ہیں۔ ہم خرافات کو اسلام سمجھ بیٹھے ہیں

فریاد آزر جس دور سے گزر رہے ہیں یا گزر چکے ہیں وہ تاریخ کا ایسا دور ہے جس میں بظاہر انسان ترقی کی منازل طے کرتا ہوا چاند پر پہنچ گیا ہے لیکن بہ باطن آج اکیسویں صدی میں آ کر بھی وحشیانہ زندگی جی رہا ہے۔ عراق، افغانستان، فلسطین، بوسنیا، چیچنیا، لیبیا، شام اور مصر جیسے ممالک میں مظلوموں کی آہوں اور ظالموں کی بم باری نے تخلیقی فن کار کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ اس جھنجھلاہٹ کا اظہار فریاد آزر کی شاعری میں جا بجا نظر آتا ہے:

سروں کی فصل کٹتے دیکھنا اس کی سیاست ہے
ہے اس کا مشغلہ صحنِ چمن میں زہر بونے کا
کربلا ہو کہ فلسطین کہ ہو بوسنیا
درد صدیوں سے مرا نام و نسب جانتا ہے
یم بہ یم، صحرا بہ صحرا نقشِ جاں جلتا ہوا
آتشِ نمرود میں سارا جہاں جلتا ہوا
پرندے لوہے کے، کنکر بموں کے پھینکتے ہیں
عذاب ہم پہ ہے کیوں ابرہا کے لہجے میں

میری تہذیب مرے نام پہ حملہ آور۔ وہ کبھی مصر، کبھی شام پہ حملہ آور

اسے حالات نے کچھ کہہ دیا کیا۔ وہ آنکھیں کھول کر سونے لگا ہے

فریاد آزر کا بسیرا اس شہر میں ہے جہاں پورے ہندستان بلکہ عالم کی تصویر دکھائی دیتی ہے، اس لیے ان کے مشاہدات میں وسعت ہے، تجربات میں گہرائی ہے۔ وہ اپنے مشاہدات، مطالعات اور تجربات کی روشنی میں احساسات کو شعوری پیکر عطا کرتے ہیں۔ فریاد آزر کے موضوعات محدود نہیں ہیں، وہ ہر موضوع کو شعر کے قالب میں ڈھالنے کا ہنر جانتے ہیں۔ موضوعات کی پیش کش میں ان کے یہاں میر اور ناصر کاظمی کی سی سادگی ہے۔ وہ بڑی فن کاری سے تشبیہات و استعارات اور تلمیحات کو اپنی غزل کا حصہ بنا لیتے ہیں:

نوح کی امت ہے اپنے جسم کی کشتی میں اور
خواہشوں کا ایک بحرِ بے کراں جلتا ہوا
زمیں پہ آمدِ جبریل ختم ہو بھی چکی
ندائے صورِ سرافیل ہونے والی ہے

ہزاروں ابر ہالشکر سجا رہے ہیں تو کیا
ہوائے سبز ابابیل ہونے والی ہے
ہاتھ ملتی رہ گئیں سب خوب سیرت لڑکیاں
خوبصورت لڑکیوں کے ہاتھ پیلے ہو گئے

فریاد آزر کے یہاں ہندو تہذیب کا عکس بھی ملتا ہے اور اسلامی تاریخ کی جھلک بھی محسوس ہوتی ہے۔ یہ ان کے وسیع مطالعہ اور مشاہدہ کو ظاہر کرتی ہے۔ ان کی غزل غمِ دوراں اور غمِ جاناں کا حسین امتزاج پیش کرتی ہے، وہ کہیں فریادی نظر آتے ہیں اور اپنے عہد کا دکھ بیان کرتے ہیں، کہیں آزر بن کر اپنے محبوب کا بت تراشتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ فریاد آزر اس عہد کے ایسے انوکھے شاعر ہیں جن کا ایک ایک شعر نئے موضوع پر مبنی ہوتا ہے، وہ اپنے آپکو دہراتے نہیں، لیکن جو موضوع انھیں بہت زیادہ متاثر کرتا ہے ان پر مزید اشعار بے شک کہتے ہیں لیکن الگ انداز میں۔ ان کے دو مجموعے ان کی نوجوانی کے دور میں شائع ہوئے اور حیرت ہوتی ہے کہ جس عمر میں نوجوان عموماً حسن وعشق کی شاعری کی حدود سے باہر نہیں نکلتے، فریاد آزر ملکی اور عالمی پیمانہ پر ہو رہی ظلم وزیادتی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتے نظر آتے ہیں، بارود اور ملوں کی چمنیوں سے نکلتے دھوئیں سے ان کا دم گھٹتا نظر آتا ہے اور وہ اس کے خلاف چیخ بھی بلند کرتے ہیں جو اردو غزل میں ناپید ہے، فضائی آلودگی، آبی آلودگی، زمینی آلودگی یہاں تک کہ امکانی خلائی آلودگی کے خلاف بھی وہ صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔

خلاؤں میں بھی شر پھیلا رہا ہے
پرندہ کتنا پر پھیلا رہا ہے
اہلِ صحرا بھی بڑھے آتے ہیں شہروں کی طرف
سانس لینے کو جہاں صرف دھواں باقی ہے
بدن صبا کا بھی یکسر دھوئیں میں لپٹا ملا
نسیم بھی لئے گرد و غبار گزری ہے
اس قدر سبز درختوں کو نہ کاٹو کہ کہیں
سانس لینے کو ترس جایے ہوا بے چاری
کیسے آلودہ فضاؤں سے بچے بادِ نسیم
کیسے مسموم نہ ہو جائے صبا بے چاری

مجھے یقین ہے کہ فریاد آزر کی شاعری اردو شاعری کی تاریخ میں خود اپنا مقام متعین کرے گی اس لیے کہ انکا لب ولہجہ، موضوعات اور ان کی پیش کش اپنے ہم عمروں اور ہم عصروں سے منفرد ہے۔

☆☆☆

عبدالسلام کوثر
Junihatri
Rajnandgaon-491441(C.G)
Mob-9300212960

ایک غزل

پڑھا لکھا ہوں، مہذب ہوں، دل نشیں ہوں میں
تری نظر میں نہیں ہوں تو کچھ نہیں ہوں میں
ادب، خلوص، مروت، نہ دوستی، نہ وفا
نئے مزاج کی دنیا سے خوش نہیں ہوں میں
تمام شہر میں شہرت ہے کو بہ کو میری
نہ جانے کیوں مجھے لگتا ہے کچھ نہیں ہوں میں
ہزار بار دُکھایا ہے میں نے دل تیرا
میں ظلم کرتا ہوں، کہتا ہوں کچھ نہیں ہوں میں
ہوا ہے خون سدا مجھ سے میرے اپنوں کا
جو تر بہ تر ہے لہو سے وہ آستیں ہوں میں
ادب سے پاؤں رکھو سجدہ ریز ہو جاؤ
نہ جانے کتنے شہیدوں کی سرزمیں ہوں میں
بروں کی نظروں میں گرچہ برا سہی کوثر
شریف لوگوں کی نظروں میں تو حسیں ہوں میں

سہیل احمد صدیقی
مدیر ہائیکو انٹرنیشنل۔ پاکستان

”تھینک یو...... کورونا“ ...... مثبت سوچ پر مبنی ایک خوب صورت ناول

ادب زندگی ہے۔ ادیب زندگی کو ایک مخصوص نظر سے دیکھتا، سمجھتا، پرکھتا اور لکھتا ہے۔ ادیب کا قلم ہر اس واقعے کو ضبط تحریر لاتا ہے جس کا تعلق زندگی کی اثر پذیری سے ہے۔ جہاں جہاں تحریکیں، جنگیں سانحے اور حادثے قدرتی آفات وقوع پذیر ہوئیں، وہاں وہاں ادباء کے قلم سر قرطاس متحرک ہوئے۔ مثلاً تقسیم ہند بیسویں صدی کا ایک بڑا اور اہم واقعہ بلکہ انقلاب ہے جس کے اثرات برصغیر پاک و ہند پر تاحال موجود ہیں۔ اس انقلاب کے بعد کئی دہائیوں تک تقسیم کے حالات و واقعات ادب کا حصہ رہے۔ ادیب اور شاعر معاشرے کا حساس ترین طبقہ ہوتے ہیں۔ زندگی کے ہر پہلو پر ان کی گہری نظر ہوتی ہے۔ اسی لیے زندگی کے معاشرتی، مذہبی و ثقافتی، غرض ہر پہلو میں ہونے والی تبدیلیاں سب سے پہلے شاعر یا ادیب کے حساس دل و دماغ پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس کے تخیل میں برپا ہونے والا طوفان لفظوں کے بہاؤ میں تبدیل ہو کر بہ صورت تحریر جا تھمتا ہے۔ یہ تحریر و تصدیر اپنے زمانے کی تاریخ بھی رقم کر رہی ہوتی ہے اور مصنف کے جذبات و احساسات کی بھی عکاسی کرتی ہے۔

موجودہ صدی ایک ایسی انوکھی وبا کا شکار ہوئی جس نے پوری دنیا کا نقشہ بدل کے رکھ دیا۔ انتہائی تیز رفتاری سے چلتا ہوا وقت کا پہیہ تھم گیا اور انسانی زندگی خوف کے زندان میں مقید ہوگئی، جس سے باہر نکلنے کا وقت اور طریقہ تاحال غیر معین اور نامعلوم ہے۔ دنیا کی بڑی بڑی سپر پاورز ہتھیار ڈالے، بے بس دکھائی دیتی ہیں۔ زندگی جیسے مفلوج ہوگئی۔ انسانی ترقی کی آئینہ دار بہت سی ایجادات منہ چڑھاتی نظر آتی ہیں۔ خالق کائنات کی طاقت و قدرت نظر نہ آنے والے وائرس کی صورت میں اظہر من الشّمس ہے۔ COVID-19 یعنی کرونا نے تمام دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ دنیا کے ہر کونے میں موجود شخص اس کے خوف میں مبتلا ہے۔ بے حد تیزی اور شدت سے پھیلنے والا یہ مرض اپنے خونی پنجے گاڑھے انسانی دل و دماغ کو مفلوج و مایوس کیے ہوئے ہے۔ انسانی جسم کو نرغے میں لینے والا یہ مرض قدرتی وبا ہے یا سازش، اس سے قطع نظر اسے آزمائش سمجھتے ہوئے، قدرت الٰہی پر یقینِ کامل میں ہی ہم سب کی عافیت ہے۔

زمانے کی اس ناپائیداری اور غیر مستحکم صورتحال سے نبٹنے کے لیے زندگی کے ہر شعبے سے متعلق لوگوں میں جدوجہد جاری ہے۔ ایسے میں شاعر اور ادیب معاشرے کی آئینہ داری کے ذمہ دار ہیں۔ زمانے میں پھیلی ہوئی مایوسی اور وبا کے تلخ اثرات کا اظہار اور ان حالات سے نبٹنے کا حوصلہ و ہمت پیدا کرنے کے لیے امید کی کرن بیدار کرنا ہر شاعر اور ادیب کا فرض ہے۔

"**منیر ارمان نسیمی**" کے ہاتھ میں بھی ایک ایسا ہی قلم ہے جو موجودہ حالات کے زیر اثر متحرک ہے۔ عنوان انتہائی دلچسپ، منفرد، جدید اور توقع کے خلاف ہے: " تھینک یو......کورونا"۔ مقام استعجاب ہے کہ جب کرونا سارے جہان میں اپنی تباہ کاریوں کے ساتھ جلوہ گر ہے، تو مصنف اس کا شکریہ ادا کر رہا ہے۔ یقیناً اس شکریہ کا تعلق مصنف کے مخصوص نقطہ نظر سے ہے جس میں "**بیدک الخیر**" پر کامل ایمان نمایاں نظر آتا ہے یعنی ہر وبا، پریشانی اور مصیبت کے پیچھے بھی مشیتِ ایزدی کی طرف سے خیر کا عنصر ہی پنہاں ہوتا ہے۔ یقیناً آفات الٰہی میں پوشیدہ خیر کا سب سے بڑا اور اہم پہلو اصلاح انسانی ہے۔ جیسے مریض کی جسمانی صحت یابی کے لئے ڈاکٹر انجکشن لگاتا ہے یا گھمبیر صورت میں آپریشن کرتا ہے، بالکل اسی طرح روحانی صحت یابی کے لیے بھی مالکِ کائنات، انسانوں کو آزمائشوں سے دوچار کرتا ہے۔ مقصد بہرحال صحتیابی ہی ہوتا ہے۔ فی زمانہً خودغرضی، سنگدلی، مفاد پرستی اور غیر انسانی رویوں نے انسان کو جس قدر اخلاقی گراوٹ کا شکار کر دیا تھا......اس کے علاج کے لیے خالق کی طرف سے سرجری ضروری تھی۔ اللہ کرے، انسان یہ بات سمجھ سکے اور اصلاح اعمال کی طرف مائل ہو جائے۔

”تھینک یو......کورونا“ ایک ایسا ناول ہے جس کی کہانی کا آغاز دلچسپ اور بھرپور ہے۔ قاری کی توجہ اور تجسس آغاز ہی سے قائم ہو جاتا ہے۔ جدید دور کی حقیقتوں کی عکاسی، کامیاب ناول نگار کا خاصہ ہوتی ہے جو اس ناول

(بقیہ صفحہ 26 پر)

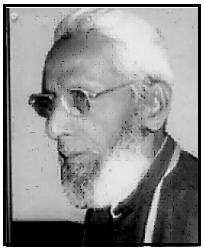

ظفر اقبال ظفرؔ
170,Kheldar.fatehpur-212601
(U.P)

ڈاکٹر ماجد دیوبندی کے نعتیہ کلام میں عقیدت کی فراوانی

نعت پاک وہ مؤقر ومعتبر اور محترم ومنور صنفِ سخن ہے جس کی مثال نہیں ملتی ہے۔حضور سرورِ کائنات،فخرِ زماں،تاجدارِ دوجہاں ختم الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ کی سیرتِ پاک جس صنف میں رقم کی گئی ہو اس کی عظمت وبلندی اور اعلیٰ رفعتوں کا کیا کہنا ہے۔یہ ہمارے فکر وتخئیل سے کہیں آگے اور فہم وادراک کی سرحدوں سے ماورا ہے۔جس ذاتِ عالی کی مدح خود خدائے بزرگ وبرتر نے قرآن حکیم میں متعدد جگہ بیان کی ہو ایسی عظیم المرتبت ذاتِ گرامی کی صفات کون بیان کرسکتا ہے۔سرورِ عالم ﷺ کی ثنا روزِ اول سے کی جارہی ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔رسولِ اکرم ﷺ کی نعت پاک کہنے کی سعادت صرف اہلِ ایمان کے حصے میں نہیں آئی بلکہ دنیا کے تمام مذاہب کے ماننے والوں نے آپ ﷺ پر اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کئے ہیں ۔

نعت گوئی فن بھی ہے اور عقیدت بھی۔بغیر اس سعادت کے نہ تو نعت پاک کہی جاسکتی ہے اور نہ ہی سمجھی جاسکتی ہے۔یہی شرطِ اولیٰ ہے۔جس کے بغیر نعت پاک کہنا ممکن ہی نہیں۔اصنافِ شعر وسخن میں سب سے نازک صنف نعت گوئی ہے۔وہ ذاتِ مقدس ومکرم جس پر خود خالقِ کائنات درود وسلام بھیجے اور اس کے فرشتے جس کی توصیف کریں،اس کے حضور کچھ عرض کرنے کی جرأت کے لئے احتیاط،ہوش مندی اور فرزانگی کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر ماجد دیوبندی کا مجموعۂ نعت ''ذکرِ رسولؐ'' میرے پیشِ نظر ہے جو معنوی حیثیت کے ساتھ صوری طور پر بھی قابلِ توجہ اور لائقِ تحسین ہے۔ان کی نعت کا مطالعہ کرنے سے یہ احساس ہوا کہ وہ ہوش مندی کے ساتھ نعت گوئی کی طرف مائل ہوئے اور عقیدت کے جذبوں کو ہم سفر رکھتے ہوئے فن کی باریکیوں پر بھی نگاہ رکھی ہے۔جس کے باعث ان کے نعتیہ کلام میں بڑی خوبی اور دلآویزی پیدا ہوگئی ہے۔فکر کے سانچے میں ڈھلے ان کے نعتیہ اشعار سیدھے دلوں کو کیفیت سے سرشار کرتے ہیں۔

ماجد دیوبندی ایسے شاعر ہیں جنہوں نے غزل ونعت دونوں اصنافِ سخن میں اپنی شناخت قائم کی ہے۔اور دونوں ہی قسم کے مشاعروں میں اپنی مترنم آواز، خوبصورت لہجے اور ندرتِ فکر کے باعث جو مقبولیت حاصل کی وہ سامعین کے دل کی دھڑکن بن گئی،اور شہرت کی اس بلندی پر فائز ہوگئے جو کم ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔

ماجد دیوبندی کی تعلیم وتربیت ایک مذہبی اور دینی ماحول میں ہوئی۔ان کے دادا اپنے وقت کے ولی کامل بزرگ تھے۔ان کے تایا بھی صابری سلسلہ کے اہم بزرگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ان کے والد محترم بھی صاحبِ علم انسان تھے جن کو فارسی وعربی زبان پر خاصی دسترس تھی۔ایسے ماحول اور ایسی تربیت نے ماجدؔ کے ذہن میں شعری رجحان پیدا کیا اور وہ نعتیہ اشعار کہنے لگے

ان کے مجموعہ ''ذکرِ رسولؐ'' میں جو نعتیں شامل ہیں وہ ان کے جذبۂ صادق کی ترجمان ہیں۔انہوں نے اپنے نعتیہ اشعار میں سلاست روی کا راستہ اختیار کیا ہے۔ان میں جذبۂ عقیدت کی سرشاری کا پرتو نظر آتا ہے۔چند اشعار ملاحظہ کریں۔

ساقیٔ کوثر کے ذکرِ پاک سے۔دور میری تشنگی ہونے لگی

یہ اجالا یہ روشنی ماجدؔ ۔صرف سرکار کی بدولت ہے

سارے عالم کی زمیں سے وہ مقدس ہوگئی
جس زمیں کو مل گئے ہیں نقشِ پائے مصطفیٰ

کیا چیز گل ولالہ ہیں کیا شئے مہ وانجم۔ ہر جلوہ ہے عکسِ رخِ تابانِ محمد

اشکوں سے دامن کو بھگونا اچھا لگتا ہے۔یادِ نبیؐ میں ٹوٹ کے رونا اچھا لگتا ہے

حقیقت میں عبادت کررہے ہیں۔جو آقا سے محبت کررہے ہیں

ماجد دیوبندی کے نعتیہ اشعار پڑھ کر قارئین ایسی کیفیت سے گزرتے ہیں جس میں ایک والہانہ بے خودی ہوتی ہے۔ان کے اشعار میں فکر ومضامین کے بہت گوشے ہیں۔جن سے ان کے نعتیہ اشعار دلآویز ہوجاتے ہیں،ملاحظہ کریں:

ذکرِ رسولؐ کرنہیں سکتے زبان سے ۔توفیق جب تلک نہ ملے آسمان سے

محفل سجی ہوئی ہے درود وسلام کی ۔خوشبو سی آرہی ہیں ہمارے مکان سے

صرف کہنے کو امّی تھے،ان کو۔علم سارے خدا نے سکھلائے

خوں میں تر ہیں سر سے پاؤں تلک۔صبر کرنا نہ پھر بھی چھوڑا ہے

(بقیہ صفحہ 20 پر)

یم۔نصر اللہ نصر
SHALIMAR APARTMENT
3/A SATYEN BOSE ROAD
BLOCK - C BAKULATA
HOWRAH -711109 (WEST BENAGAL)
Mb. No.-- 9339976034

''زنگارِ ادب'' کا ادیب: ڈاکٹر عبدالحلیم انصاری

ادب نگاری کوئی فیشن نہیں کہ جو چاہے اپنا لے یا اس اوکھلی میں سر ڈال دے ۔ یہ ایک مجاہدانہ عمل ہے ۔کافی حوصلہ، امنگ ، محنت، لگن ، وقت ،مطالعہ اور صرفہ کا طالب ہے ۔صبر وتحمل اور نیک نیتی بھی اس کے تقاضے میں شامل ہیں۔ نیز تعلیمی و علمی لیاقت بھی اس کا لازمی حصہ ہے۔ سلیقۂ تحریر سے واقفیت بھی ضروری ہے ۔اس نکتۂ نظر سے جب ہم نے عبدالحلیم انصاری کے مجموعۂ مضامین کو پڑھا اور پرکھا تو یہ محسوس ہوا کہ انہیں کوئی بڑی سند تو نہیں دی جاسکتی مگر کم آنکنا بھی ان کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا۔اس لئے کہ ان کی تحریر اور طرز تحریر میں دم ہے ۔انہوں نے جن کے بارے میں بھی لکھا ہے انہیں کافی مطالعہ کیا ہے ۔مواد اکٹھا کیا ہے، پرکھا ہے اور اپنی بساط فہم کی کسوٹی پر کسا بھی ہے پھر کچھ لکھنے کی جسارت کی ہے۔ان کی تخلیقات وتصنیفات فیشن زدہ نہیں ہیں ۔اپنی تحریروں میں انہوں نے اپنی شناخت کو قائم رکھا ہے۔اچھے کمنٹس کیے ہیں، اچھی بحث اور مناسب گفتگو بھی کی ہے۔نہ کسی کی جانب داری کا پاس رکھا ہے اور نہ کسی سے دشمنی نکالی ہے۔ نیک نیتی سے کام لیا ہے۔یہی وہ صفات ہیں جن کی بنیاد پر میں ان کے سلسلے میں کچھ خامہ فرسائی کرنے پر مجبور ہوا۔

ان کی پہلی کتاب ''زنگارِ ادب'' زیر مطالعہ ہے۔ پہلے تو میں عنوان ہی پر کافی دیر تک سوچتا رہا کہ آخر یہ کیا بلا ہے ۔سوچا کوئی بہت اہم بات ہوگی ۔غور وفکر کے بعد سمجھ میں آیا کہ اس کے معنی ''ادب کا آئینہ'' ہے۔ واقعی یہ ایک خاص آئینہ ہے۔خاص اس لحاظ سے کہ جس مضمون کو بھی میں نے اس آئینے میں دیکھا اور پڑھا اس میں ادبی تحقیق کی مہک کا احساس بخوبی ہوا۔ یہ بھی لگا یہ سارے مضامین کافی سنجیدگی سے لکھے گئے ہیں۔

اس کتاب میں کل بارہ مضامین شامل ہیں ۔جن ادبا و شعرا کے تعلق سے یہ مضامین لکھے گئے ہیں ان کے نام کچھ یوں ہیں، سہیل واسطی ،عابد ضمیر ،رونق نعیم ،انیس رفیع ،شمس ندیم ،اظہار الاسلام محمود یسین ،اشہر ہاشمی ،منور رانا ، اردو شاعرات اور آسنسول کا عصری ادب ۔سبھی مضامین لائق مطالعہ ،معلوماتی اور قابل ستائش ہیں۔زبان وبیان میں ندرت ہے اور اسلوب بھی دلکش ہے ۔کوئی بھی مضمون دلچسپی سے خالی نہیں۔سہیل واسطی کے تعلق سے وہ لکھتے ہیں:

''سہیل واسطی نے ہندوستان کی تاریخ کا وہ دور بھی دیکھا ہے جب سیاست نے مذہب کو اپنے گندے مقاصد کے لئے استعمال کیا اور خون کی ندیاں بہا دیں۔انسانیت لہولہان ہوگئی اور معصوموں کے قتل وخوں نے ہر شاعر و ادیب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔سہیل واسطی نے بھی اس المیے کو اپنے اشعار میں پیش کیا ہے۔وہ زندگی میں درآنے والی بے حسی ، بے ضمیری اور بدعنوانی سے حد درجہ نالا ں تھے اور انسان کے ضمیر کو جگانے کی سعی کرتے رہے۔'' (ص۔۱۳)

اس اختصاص و اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف نے ان کی نظموں کا کافی گہرائی سے مطالعہ کیا اور بڑی ہنرمندی سے گھی نکال لیا ہے۔قلم کار پختہ ذہن کا مالک ہے ۔ نیز شاعری کی نفسیات کو سمجھتا ہے ۔ بیشک سہیل واسطی اشتراکیت اور ترقی پسندیت سے متاثر تھے۔ہندوستان کے غریب، مزدور پیشہ اور دبے کچلے طبقے اور عوام پر ان کی گہری نظر تھی۔ وہ ان کے درد وکرب سے واقف تھے۔تبھی ان کی شاعری میں یہ انداز اور لہجہ در آیا تھا۔ وہ جابرانہ اور ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف تھے۔حلیم صاحب کی نظر سہیل صاحب کی طرز نگارش کی طرف بھی گئی ہے اور انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ ان کی شاعری کا رنگ وآہنگ منفرد اور شعور ووجدان کا خوبصورت امتزاج تھا۔

عابد ضمیر کے تعلق سے دو مضامین شامل مجموعہ ہیں۔اس مضمون میں نہ صرف عابد صاحب کی افسانہ نگاری پر بحث موجود ہے بلکہ افسانہ نگاری کے خاص نکتے کی طرف بھی اشارہ موجود ہے جو ان کی ادب فہمی اور افسانہ نگاری کے فن سے واقفیت کا اعتراف ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''صنعتی ترقی اور جمہوری قدروں کے فروغ نے فکر وفن میں بھی ایک طرح کی آزادی کو راہ دی تھی جس کے نتیجے میں جملہ شعبہ ہائے حیات میں نئے نظریات و مکاتیب فکر کی اثر پذیری بڑھنے لگی اس صورت حال نے اردو افسانے پر بھی اثر ڈالا۔ترقی پسندی کے بیس پچیس سالہ دور میں لوگ نعرے بازی ، پروپگنڈے اور یک رخے فکری وفنی رویئے سے اکتانے لگے تھے اور

ادب میں کسی نئے اسلوب اور پیرایۂ اظہار کے متمنی تھے ایسے میں مغرب سے جدیدیت کا ایک تیز اور خوشگوار ہوا کا جھونکا اردو ادب میں آیا اور اردو افسانے کی فضا کو اپنے رنگ میں رنگنے لگا۔ جدیدیت چونکہ اردو ادب میں ترقی پسندی کے ردعمل میں داخل ہوئی تھی اس لئے اس میں سماج کے بجائے فرد، اجتماعیت کی جگہ فردیت اور کائنات کی جگہ ذات کو ترجیحی مقام ملا۔'' (ص۔۲۰)

یہ ایک چھوٹا سا اقتباس افسانہ کے بدلتے ہوئے مزاج اور رنگ ڈھنگ کا خوبصورت اظہاریہ ہے۔ ایک تاریخ ہے۔ ایک سچائی ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ یہ حلیم انصاری کی پختہ ذہنی کی وکالت کے لئے کافی ہے۔ یہ کسوٹی بھی ہے جس پر عابد ضمیر اور دوسرے افسانہ نگاروں کو انہوں نے کسا ہے اور ان کے کھرے کھوٹے کو پیش کر دیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ انہوں نے کسی کا تنقیدی جائزہ نہیں لیا ہے مگر تاثراتی جائزہ ضرور پیش کیا ہے۔ اس کی روشنی میں وہ رقم طراز ہیں:

''پہلے دور کے افسانوں میں عابد ضمیر کے فکر وفن پر رومان ایک غالب نفسیاتی عنصر کی حیثیت سے غالب ہے۔ حسن وعشق کے معاملات، جواں دلوں کا ملنا اور بچھڑنا، ظاہری شخصیت کا فریب، اور حسن وجوانی کی موقع پرستی اور مصلحت کوشی جیسے موضوعات ان کے افسانوں میں اکثر بیان ہوئے ہیں۔ ہاں انہوں نے جدیدیت کے زیر اثر تجربے کے طور پر کچھ علامتی افسانے بھی لکھے۔'' (ص۲۲)

موصوف کا یہ محاکمہ عابد ضمیر کی افسانہ نگاری کا عکس ریزہ ہے جو قاری کے فہم وفراست کے لئے آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ رونق نعیم کی شاعری کا محاسبہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ بھی جدیدیت کے پروردہ ہیں ان کی نظموں اور غزلوں میں فطرت کے تمام رنگوں اور کیفیات کی جلوہ گری موجود ہے۔ رونق نعیم نے جدید غزلوں میں انسانی جذبات واحساسات کے حقیقت پسندانہ مگر رمزیہ وایمائی اظہار کو ترجیح دی ہے۔ علامتی واستعاراتی زبان بھی استعمال کی ہے۔ ان کے لاشعور میں اجزائے فطرت اور مظاہر قدرت اس طرح رچے بسے ہیں کہ وہ بار بار ان کی شاعری میں دخیل ہو جاتے ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنی انفرادیت قائم رکھی ہے۔

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حلیم انصاری کو رموز شاعری سے واقفیت ہے یا پھر اس کا وہ گہرا اور بسیط مطالعہ رکھتے ہیں۔ ان کا شعری شعور قابلِ احترام ہے۔ انہوں نے رونق نعیم کی شعری فنکاریوں کا منفرد انداز میں انکشاف کیا ہے۔ ان کے اشعار میں شامل کلیدی الفاظ کو منتخب کیا ہے اور ایسے اشعار کی طرف قاری کی توجہ مبذول کرنے کی اچھی کوشش کی ہے۔ جن میں سمندر، سانپ، خواب، خوف وڈر، موسم، جنگل ہوا، پانی، آسمان، گھر، زمین، دنیا، وغیرہ الفاظ شامل ہیں۔ ان کا موازنہ رنگ میرؔ، غالبؔ، محمد علویؔ، اور مجازؔ سے بھی کیا ہے جو سعی حاصل اور لاحاصل دونوں صورتوں کا اظہاریہ ہیں۔

بنگال کے معروف افسانہ نگار کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''انیس رفیع کے فن کا ایک اختصاص یہ بھی ہے کہ وہ اپنے افسانوں میں خود کو ایک افسانہ نگار کی طرح نہیں ایک قصہ گو کی طرح پیش کرتے ہیں۔ ان کے بیشتر افسانوں میں ان کے کہانی کہنے کا انداز ایک قصہ گو کا ہوتا ہے جو کبھی کبھی زبان کے تقاضوں اور جمالیات سے بے نیاز ہو کر قصہ بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ ان کے یہاں وہی کھردرا پن ہے جو عصمت اور منٹو کے یہاں ہے بلکہ کبھی ان دونوں سے زیادہ۔'' (ص۔۴۷)

کتنی سچی اور حقیقت آشنا بات کہی ہے۔ یہ جسارت قابل تحسین ہے اور اس نکتے کی بازیافت بھی خوب ہے۔ بیشک انیس رفیع جو زبان استعمال کرتے ہیں وہ دوسرے افسانہ نگاروں سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ جس علاقائی پس منظر میں وہ افسانے لکھتے ہیں وہاں کی خالص بولی کو وہ خوب استعمال کرتے ہیں۔ کبھی کبھی قاری کو وہ بھلے بھی لگتے ہیں اور کبھی گراں بھی گزرتے ہیں مگر افسانوی جمالیات اثر انداز نہیں ہوتی۔ یہ معاملہ تو انیس رفیع کا ہے لیکن یہاں بحث صاحب کتاب کے فہم فراست کے تعلق سے ہے کہ انہوں نے کس دور بین نگاہی سے اس نکتے کو منظر عام پر لایا ہے اور سچائی کے لعل کو اگل دیا ہے۔ اس کے لئے وہ بیشک مبارکباد کے مستحق ہیں۔

مضامین نگاری کا یہی مقصد ہے کہ مضمون نگار قاری کو لفظوں کی بازی گری میں الجھائے نہیں، ہوائی قلعہ تعمیر نہ کرے۔ لچھے دار گفتگو نہ کرے بلکہ صاف صاف جو اسے تخلیق میں نظر آئے اسے بیان کرے۔ انصاری صاحب نے ایسا ہی کیا ہے۔ بلکہ ان کی عینک کا نمبر بالکل درست ہے کہ ان کی نظر وہاں تک پہنچ گئی ہے جہاں عام ادیبوں کی پہنچنی مشکل ہے۔ اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اس کتاب کے مطالعے کے بعد کیا نتیجہ اخذ کیا جائے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ محرر نے جو اس راہ میں قدم اٹھایا ہے وہ حوصلہ مند ہے۔ وہ ایک سنجیدہ مقالہ نگار ہے۔ اسے مضامین لکھنے کا شعور ہے۔ مشق ومجاولت اسے دور تک لے جا سکتی ہے۔ مزید مطالعے اسے قوت تحریر عطا کر سکتے ہیں۔ اپنی خامیوں پر خود نگاہ رکھنے سے انسان بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ بغیر خامی کا کوئی انسان نہیں۔ اس کے باوجود زبان اچھی ہے، بیان اچھا ہے، اسلوب بھی قابلِ تحسین ہے۔ سوچ اچھی ہے۔ فکر بلند ہے۔ سب سے بڑی بات سنجیدگی اور سلاست ہے۔ اللہ اور عزت بخشے۔ آمین

☆☆☆

(ڈاکٹر ماجد دیوبندی.....کا بقیہ)

صرف کردار سے نبیؐ نے مرے۔ پتھروں کا غرور توڑا ہے

بے سہارا نہ چھوڑا کبھی آپ نے ۔امّتی ہیں جہاں بھی وہاں آپ ہیں

اللہ میرے رزق کی برکت چلی نہ جائے
دو روز سے گھر میں کوئی مہمان نہیں ہے

ازل سے وسعتِ کون ومکاں میں۔مرے آقا حکومت کر رہے ہیں

حضورﷺ کی ذات طیّبہ کے محاسن وکمالات غیر معمولی تھے ۔ان کی لائی ہوئی روشنی نے دورِ جہالت کے اندھیرے دور کردئے اور دورِ ارتقاء کی راہیں وا کر دیں۔ چند اشعار ملاحظہ کریں:۔

تین سو تیرہ مجاہد اور جہادِ اولیں ۔فتح کی دے کر بشارت حوصلہ دیتا ہے کون

پسینہ خشک ہونے سے ہی پہلے کام گار کو۔خوشی خوشی سے اس کا حق دلا دیا حضور نے

اللہ جسے پاس بلا کر کرے باتیں ۔انسانوں میں ایسا کوئی انسان ہوا ہے

ماجدؔ لبوں پر ان کے دعاؤں کے پھول تھے۔ دشمن سے بھی حضور کا جب سامنا ہوا

گمراہ سنورے چہرۂ سرکار دیکھ کر۔حلقہ بگوش ہو گئے کردار دیکھ کر

ماجد دیو بندی مشاعرہ کی دنیا کے بے تاج بادشاہ ہیں ۔انہوں نے مشاعرے کے ذریعہ عالمی پیمانے پر بے پناہ شہرت حاصل کی ہے ۔غزل ان کی شناخت ہے۔غزل کے شاعر کا مزاج اگر الف سے آشنا ہو تو انتہائی خوش بختی کی بات ہے ۔اور یہ سعادت ہر کسی کو نہیں ملتی ۔ماجد دیو بندی نے نعت کا مطالعہ بہت گہرائی سے کیا ہے۔فن سے وابستگی اور سیدِ سرورِ کونینﷺ سے والہانہ عقیدت نے ماجد کی نعتوں کو تاثیر عطا کی ہے۔اور یہی ان کی نعت گوئی کا خصوصی امتیاز ہے۔

ان کے نعتیہ کلام میں خلوص وعقیدت کا وہ معیار نظر آتا ہے جو ایک صادق امّتی کی پہچان ہوتی ہے۔انہیں نبیٔ مکرم سرورِ عالمﷺ سے جو محبت اور عقیدت ہے اس کا اظہار ان کے اشعار میں ملتا ہے۔جیسے.....

پڑھو جو سیرتِ اقدس سرور ملتا ہے۔صداقتوں کا انوکھا شعور ملتا ہے

سارے عالم کی زمیں سے وہ مقدس ہوگئی
جس زمیں کو مل گئے ہیں نقشِ پائے مصطفےٰ

مرتبہ سرورِ عالم کا خدا جانتا ہے ۔کوئی آساں تو نہیں ہونا شناسائے رسول

غرض کہ ماجد دیو بندی کی نعتوں کی زبان نہایت سادہ، بیان دل نشیں اور محبتِ رسولؐ سے سرشار ہے ۔انہوں نے اپنے نعتیہ کلام میں شمائلِ رسولؐ اور اسوۂ رسولؐ کا تذکرہ انتہائی خلوص سے کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری میں عقیدت آفریں جذبات کی فراوانی ہے۔اور ساتھ ہی مضامین میں تنوع پایا جاتا ہے ،جو بلاشبہہ ان کی نعت گوئی کی قدرت پر دلالت کرتا ہے۔

ماجد دیو بندی کی نعتیہ شاعری کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ذہن ودل کو معطر ومنور کرتی ہے۔میری دعا ہے کہ ماجد دیو بندی کا مجموعۂ نعت ''ذکرِ رسولؐ'' اپنی ضیا پاشیوں سے دلوں کو منور اور روح کو فرحت بخشتا رہے۔آمین☆☆☆

موصولہ کتابیں

۱۔موجوں کا اضطراب (آپ بیتی)	ڈاکٹر شرف الدین ساحل
۲۔موجِ غبار (شری مجموعہ)	ڈاکٹر شرف الدین ساحل
۳۔کلیاتِ ذوقی	مرتب۔سہیل انور
۴۔عکسِ معرفت (نعتیہ مجموعہ	مست حفیظ رحمانی
۵۔لنگڑا مچھر (طفلی نظمیں)	سہیل عالم
۶،روش (شعری مجموعہ)	سہیل عالم
۷۔چنچل بچے (طفلی نظمیں)	عمران آصف
۸۔سوکھے پیڑ (افسانے)	اظہر نیر
۹۔ضو بار دوہے	ارشد مینا نگری
۱۰۔ورق ورق چہرے (خاکے)	منظور وقار
۱۱۔ممتا کا آنچل۔منظومات)	حسن امام فدائی
۱۲۔کل کا سورج (شعری مجموعہ)	جمال احمد جمال
۱۳۔برگِ سحر (شعری مجموعہ)	سید محمد نور الحسن نور نوابی
۱۴۔میری توشیحات (منظومات)	نذیر فتحپوری
۱۵۔کسوٹی۔(مضامین)	عبدالحئی پیام انصاری
۱۶۔سعادت حسن منٹو کے افسانوں میں...ایس اشرف الدین	
۱۷۔شعرائے بنگالہ (حصہ سوم)	ڈاکٹر الف انصاری
۱۸۔خواب کا سمندر (شعری مجموعہ)	احسن امام احسن
۱۹۔شعر آرائی (شعری مجموعہ)	ڈاکٹر غلنی وبھانا زلؔی
۲۰۔محفلِ خوباں (شعری مجموعہ)	ڈاکٹر مصور خوشتر
۲۱۔لہو کا سفر (شعری مجموعہ)	وفا سکندر پوری
۲۲۔فکرِ امروز (مضامین)	ایڈوکیٹ محمد بہاالدین
۲۳۔میرے منتخب پیش لفظ	ڈاکٹر کرامت علی کرامتؔ
۲۴۔نصاب (شعری مجموعہ)	رشید افروز
۲۵۔بدلتے منظر (افسانوی مجموعہ)	ایڈوکیٹ حبیب ریتھ پوری
۲۶۔خزائنِ انوار (اسلامی مضامین)	مرتب۔ڈاکٹر محمد چاند نظامی
۲۷۔آئینۂ جمال (نعتیہ مجموعہ)	حافظ کرناٹکی
۲۸۔حرف حرف نور (نعت گو شعرا پر مضامین۔شارق عدیل	
۲۹۔عکسِ مطالعہ (مضامین)	ڈاکٹر عارف حسن وسطوی

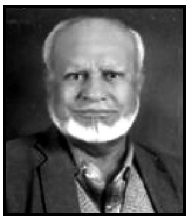

ابرار نغمی
NearMohammadiMasjid
Raisen-464551-(M.P)

اردو مرثیہ۔ابتدا اور فن

اردو شعری ادب میں چند شعری اصنافِ سخن جیسے ہائیکو ،ترائیلے‘ سانیٹ وغیرہ سمندر پار ممالک سے ہندوستان میں در آئی ہیں اسی طرح مرثیہ بھی عرب سے آیا ہے۔ویسے تو مرثیے کی تاریخ بہت قدیم ہے۔اس کے آثار ہمیں زمانۂ جاہلیت سے ملتے ہیں۔جب ہابیل کو قابیل نے قتل کیا تو حضرت آدم نے اپنے بیٹے کے غم میں جو اشعار کہے اسے بے شک پہلا مرثیہ کہہ سکتے ہیں۔بلکہ اگر ہم یہ کہیں کہ عرب میں شاعری کی ابتدا ہی مرثیے سے ہوئی تو غلط نہ ہوگا۔شعراء دل گداز اشعار سناتے تھے۔جس قبیلے میں کوئی شاعر نہیں ہوتا تو دوسرے قبیلے کے شاعر کو اپنے یہاں بلواتے اور ان سے اپنے متوفی کا مرثیہ کہلواتے۔حزن وملال کا یہ سلسلہ فطری ہے۔ظہورِ اسلام کے بعد بھی شعراء مرثیہ لکھتے رہے۔اور اس طرح مرثیہ مختلف تجربوں سے گزرتا رہا۔یہاں تک کہ صحرائے عرب میں جب علم ودانش کے چشمے پھوٹے اور تمام علوم وفنون نے ترقی کی تو مرثیے کو بھی ترقی کا موقع فراہم ہوا۔

عرب کی تقلید کرتے ہوئے اہلِ فارس نے بھی مرثیے لکھے اور خوب لکھے لیکن ترقی کے بعد بھی قصائد اور غزل جیسا مقام مرثیے کو حاصل نہیں ہوسکا۔شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ اس زمانے میں مرثیہ صرف وہی کہتے تھے جن پر کوئی غیر معمولی حالت طاری ہو۔اس کے بعد جب شاعری اصل حالت سے بدل کر کسب معاش کا ذریعہ بنی تو مرثیہ گوئی کے زوال میں خود بخود اضافہ ہوا۔کیونکہ قصائد کی طرح مرثیے سے کچھ صلہ نہیں مل سکتا تھا۔جب سمندر پار (عرب ،ایران) سے کچھ قافلے ہندوستان آئے تو وہ اپنے ساتھ وہاں کی زبان اور تہذیب بھی ساتھ لائے۔جس سے ہندوستان میں عربی اور فارسی کا دور دورہ ہوا۔پھر رفتہ رفتہ ایک نئی زبان وجود میں آئی۔جسے اردو کہا گیا۔اردو شاعری کی ابتدا بھی مرثیے سے ہی ہوئی۔ہندوستان میں مرثیے کی تعریف مختلف نقادوں نے مختلف طریقے سے کی ہے۔نورالحسن نقوی مرثیے کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

’’مرثیہ عربی زبان کا لفظ ہے جو رثا سے بنا ہے جس کے معنی ہیں کسی کی موت پر رونا۔عربی میں صنفِ مرثیہ کے معنی متعین ہوئے یعنی کسی کی موت پر غم کا اظہار اور مرنے والے کے اوصاف کا بیان،لیکن یہ معنی شخصی مرثیے تک محدود رہے۔آگے چل کر مرثیے کی ایک ایسی قسم وجود میں آئی جو شخصی مرثیے سے بہت مختلف ہے اور جس کا دامن شخصی مرثیے سے بہت مختلف ہے‘‘

ڈاکٹر صفدر حسین نے بھی مرثیے کی تعریف کچھ اس طرح کی ہے۔

’’ایک متعین دردانگیز اور موثر زبان میں اس انداز سے ان کے کارنامے بیان کئے جائیں کہ جذبات کے ساتھ ساتھ واقعات کی شاعرانہ تصویریں بھی شامل ہوں اور اس کا مجموعی اثر ہمارے ہیجانات کی صحت اور اصلاح کرے‘‘۔

مورخ بیان کرتا ہے کہ ظہوری جو فارسی کا شاعر تھا‘ عادل شاہ کے دور میں ہندوستان آیا اور دکن میں قیام کیا۔اس نے فارسی میں مرثیے لکھے۔اس طرح ہندوستان میں پہلے فارسی مرثیہ گوئی کی بنیاد پڑی،پھر اردو کا ظہور ہوا اور ساتھ ہی اردو میں بھی مرثیہ گوئی وجود میں آئی۔

ڈاکٹر فضل امام رضوی اپنی کتاب میں یوں لکھتے ہیں۔

’’اس طرح دکن کی سرزمین پر فارسی مرثیہ نگاری کی داغ بیل پڑی۔مرثیہ نگاری کا دلچسپ باب یہ ہے کہ یہاں کی سرزمین پر ہی اردو مرثیہ نگاری کی بنیاد پڑی اور اردو مرثیہ فارسی مرثیہ سے مختلف اپنا جادو قائم کرتا ہے‘‘۔

اردو مرثیے کی ابتدا کے بارے میں سید سبط حسین نقوی اپنی کتاب ’’انیس الشعراء‘‘ میں لکھتے ہیں۔

’’اردو زبان بنتے ہی یا یوں کہیے کہ آغاز اردو ادب ہی رثائیہ شاعری یعنی مرثیے سے ہوا۔کیونکہ اردو ہندوستان کی زبان اور پیداوار ہے جو دکن سے پھیلی۔دکن میں پہلے محتشم کاشان کا کلام یعنی مرثیے پڑھے جاتے تھے جو فارسی میں تھے‘‘۔

ابتدا میں جو مرثیے ملتے ہیں وہ سب الگ الگ ہئیت میں لکھے ہوئے ہیں۔اور اگر دیکھا جایے تو آج بھی مرثیے گوئی کی لازمی طور پر کوئی ہئیت نہیں ہے۔ابتدا میں مرثیے غزل کی صورت میں لکھے جاتے رہے۔غالب کا مرثیہ ’’لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور‘‘ غزل کی شکل میں ہے۔حادثۂ کربلا موجِ تہہ نشیں کی شکل میں جاری ہے۔مرثیے میں مثنوی کی ہئیت کا رواج بھی ملتا ہے۔کربلائی مرثیہ ہو یا شخصی اقبال کا مرثیہ ’’والدہ مرحوم کی یاد میں‘‘ مثنوی کی شکل میں ملتا ہے۔مرثیہ نگاری میں ترکیب بند بھی مقبول رہا۔مولانا الطاف حسین حالی نے غالب کا مرثیہ ترکیب بند میں لکھا ہے۔اس کے علاوہ مرثیے کی تاریخ میں قطعہ،رباعی اور مخمس کی شکل کے بھی

مرثیے ملتے ہیں۔لیکن ابتدا میں جو شکل سب سے زیادہ مقبول تھی وہ مربع تھی۔شمالی ہند میں مسدس کی شکل میں مرثیہ لکھنے والا سب سے پہلا شاعر سکندر کو بتاتے ہیں۔ اس بارے میں وہ خود لکھتے ہیں۔

''سودا کے ہم عصر میاں سکندر نے پنجاب سے لکھنؤ آ کر سکونت اختیار کی۔انہوں نے ایک نہایت دردناک مرثیہ مسدس کی شکل میں لکھا جو آج تک مقبول ہے۔کہا جاتا ہے کہ یہ اردو زبان میں پہلا مرثیہ ہے''۔

نورالحسن نقوی بھی سودا کے پہلے مسدس مرثیہ لکھنے سے انحراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''مرثیے کو مسدس کی شکل میں پیش کرنے کا سہرا سودا کے سر باندھا جاتا ہے۔مگر یہ خیال درست نہیں۔سودا سے بہت پہلے بعض دکنی مرثیے مسدس کی شکل میں لکھے گئے۔مگر ان کے پہلو بہ پہلو دوسری شکلیں بھی مروج تھیں۔اس لیے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ مرثیے کی شناخت موضوع سے ہوتی ہے ہئیت سے نہیں۔

مرثیہ نگاری کا اصل تقاضا یہ ہے کہ مرثیے میں جذبات نگاری اور واقعات کی تصویر کشی پر خاص طور سے زیادہ زور دیا جائے۔واقعات میں سب سے زیادہ اہمیت رزم آرائی کو حاصل ہے۔اور مرثیہ نگاری میں اس پر خاص توجہ دی گئی ہے اور اس طرح رفتہ رفتہ مرثیے کے اجزاء متعین ہوتے گئے۔خواجہ میر ضمیر کے زمانے تک جب مرثیہ نگاری پہنچی تو مرثیے کے اجزاء حسب ذیل قائم ہو چکے تھے۔چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، رزم، شہادت اور آمین۔اس کے علاوہ مرثیہ نگاروں نے بھی طوالت سے بچنے کے لحاظ سے اس سے پرہیز کیا ہے۔خواجہ میر ضمیر کے بھی ایسے کئی مرثیے موجود ہیں جن میں پورے اجزاء استعمال نہیں ہوتے ہیں۔

حوالہ جات

(۱)''اردو مرثیہ نگاری''ایم بانی اشرف ایجوکیشن بک ہاؤس علی گڈھ ص۔۲۴
(۲)''مرثیہ بلح ۳ دانیس''.....ڈاکٹر صفدر حسین.....ص۔۱۵۴
(۳)''انیس الشعراء''.....سید سبط حسین نقوی.....ص۔۱۹
(۴)''تعارف مرثیہ''.....شجاعت علی سکندر.....ص۔۱۸
(۵)''اردو مرثیہ نگاری''..ایم بانی اشرف ایجوکیشن بک ہاؤس۔علی گڈھ۔ص۔۳۱

☆☆☆

ڈاکٹر قمر الزماں
SBI, MTPS, DVC.Colony
Bankura-722183(W.B)

متوالی

غضب سوجھی ہمارے یار کو سوجھی تو کیا سوجھی
ٹھٹھرتی ٹھنڈ میں اک رات کھانے کی ہوا سوجھی
بجایے سیٹی جاتے تھے، کبھی کچھ گنگناتے تھے
دگرگوں حال تھا اپنا مگر اس کو ادا سوجھی
دہائی جو لگے دینے، ہمیں لٹکا دیا الٹا
دُکھایا دل ہمارا تو، یہی اس کی دوا سوجھی
کہا: ''تم باغ سے مہندی کے پتے توڑ کر لاؤ''
اچانک رات کو اس کو لگانے کی حنا سوجھی
گرے جو پیڑ سے ہم تو خراشیں لگ گئیں کتنی
لگے آہیں جو بھرنے ہم تو مرنے کی ادا سوجھی
یہ کیسی بے نیازی اس کی فطرت میں سمائی ہے؟
جو سوجھی دل لگانے کی تو غفلت بارہا سوجھی
عجب سیماب فطرت ہے زماں معشوق متوالی
دِکھایا دردِ دل ہم نے تو دینے کی سزا سوجھی

مضطر افتخاری

166/H/84, Keshab Chandra Sen Street,
Kolkata - 700 009(W,B)

استاد شاعر حلیم صابؔر پر ایک نظر

مغربی بنگال میں اردو زبان وادب کا ایک اہم مرکز راجہ بازار بھی ہے۔ جہاں انیسویں صدی سے عصر حاضر تک نامور ادبی، علمی اور سماجی شخصیتیں پیدا ہوتی رہی ہیں جو اپنی گراں قدر نثری وشعری تخلیقات سے اردو زبان وادب کے دائرے کو لامحدود سمتوں تک وسیع کرنے میں مصروف رہے ہیں۔ ان میں سے ایک معتبر نام حلیم صابر کا بھی ہے۔ آپ کا حقیقی نام محمد حلیم ولد محمد سلیم ہے اور پردادا کا نام صابر علی تھا۔ ادبی دنیا میں آپ 'حلیم صابر' کے نام سے معروف ہیں۔ آپ کے تخلص کے پس پردہ ایک حقیقی کہانی بھی ہے۔ آپ کے ایک جگری دوست جو آپ کو چھوڑ کر جھارکھنڈ میں جا بسے جن کا نام محمد صابر تھا۔ انہوں نے آپ کی محبت میں اپنا نام ''صابر حلیم'' رکھ لیا اور دوسرا آپ کے دادا کا نام محمد صابر تھا۔ اس لئے خاندانی سعادت مندی اور دوست کی محبت میں آپ نے اپنا تخلص صابؔر تجویز کیا۔

اس طرح آپ کا ادبی نام حلیم صابؔر ہے لیکن یہ نام کی حد تک ہی نہیں بلکہ موصوف اپنے اخلاق واطوار سے بھی مکمل حلیم وصابر ہیں۔ اپنی گفتگو، اپنی نشست و برخاست، اپنے ہاؤ بھاؤ بلکہ ہر زاویے سے متحمل مزاج اور صبر ورضا کے پیکر ہیں۔ تصنع اور ملمع سے کوسوں دور، اندر اور باہر سے بالکل ایک، منافقت وریاکاری سے پاک، قلندرانہ صفات کے حامل شخصیت کا نام حلیم صابؔر ہے۔

آپ کی پیدائش 26/جنوری 1945ء کو راجہ بازار کی ایک قدیم بستی نارکلڈانگہ مین روڈ میں ہوئی۔ ذوقِ ادب اور طبع موزوں آپ کو ورثے میں ملے ہیں۔ آپ کے چھوٹے دادا حضرت غلام رسول فگارؔ ایک معروف ومعتبر شاعر تھے جو 1950ء کے بعد کراچی مراجعت کر گئے، آپ کے والد بزرگوار محمد سلیم بھی شاعر تھے جنہوں نے کلکتہ کو اپنا مسکن بنالیا تھا۔

موصوف کو مطالعہ، مجاہدہ ومشاہدہ کا ذوق بچپن سے تھا۔ اسی ذوق نے سخن گستری کی طرف جب مائل کیا تو آپ 26/25 سال کی عمر میں (1971) حضرت رضا مظہری کی بارگاہِ ادب میں پہنچے اور ان کے تلامذہ میں شامل ہوئے۔ جب تک رضا مظہری صاحب باحیات رہے موصوف ان سے شاعری کے رموز ونکات سیکھنے کے ساتھ مشورۂ سخن کرتے رہے۔ رضا مظہری کی وفات (1985) کے بعد کسی اور سے اصلاح کی ضرورت محسوس نہیں کی اور اپنی طبع سلیم کی رہنمائی میں جادۂ سفر طئے کرتے ہوئے شاعرانہ پہلوؤں کی ان حدود تک رسائی حاصل کی جہاں کہنہ مشقی اور قادرالکلامی کے رشتے ملتے ہیں۔

موصوف مختلف نثری وشعری اصناف میں اپنی مہارت سے نئے گل بوٹے کھلا رہے ہیں۔ ان میں حمد، نعت، منقبت، غزل، نظم، قطعات، رباعی، ہائیکو، مضامین، انشائیے، تبصرے، تاثرات کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ ان کی ادبی خدمات تقریباً پچاس برسوں کی طویل مدت پر محیط رہے ہیں۔ اس دوران انہوں نے مختلف اصناف پر اٹھارہ عدد کتابیں تصنیف کیں اور چار پانچ عدد تالیف وترتیب کے لحاظ سے اردو ادب کو اپنی خدمت پیش کی۔ آج 76 سال کی عمر میں بھی آپ کا قلم رواں ہے۔ انجم عظیم آبادی کی اطلاع کے مطابق:

''موصوف کلکتہ کے دوسرے شاعر ہیں جن کا دیوان منظر عام پر آیا۔ پہلے صاحبِ دیوان شاعر استاذ الشعراء حضرتِ وحشت کلکتوی تھے جن کا دیوان ''دیوان وحشت'' کے نام سے 1910ء میں آیا تھا اور حلیم صابؔر نے بنگال میں دوسرا دیوان بنام ''اخلاصِ سخن'' 2011ء میں پیش کیا۔

انجم عظیم آبادی کی یہ اطلاع آدھی سچی ہے۔ بنگال میں پہلے صاحبِ دیوان شاعر وحشت کلکتوی نہیں ہیں بلکہ 'وحشت' بنگال کے آخری صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔ کیونکہ ماضی قریب تک شعرا کی عام روش یہ تھی کہ وہ اپنی غزلیات کا دیوان ہی مرتب کرتے تھے اور شائع بھی کراتے تھے۔ وحشتؔ کے بعد اس روش نے پلٹا کھایا اور غالباً تمام شعرا اپنی تخلیقات کے مجموعے ہی شائع کرتے رہے ہیں، ہاں حلیم صابؔر نے اس روایت کو رد کرتے ہوئے 2011ء میں دیوان ترتیب دی اور 'اخلاصِ سخن' کے نام سے اپنی غزلیات کا دیوان منظر عام پر کیا۔ 2014/15 میں آپ نے ایک اور دیوان دوہا غزل دیوان ''سوغات'' کے نام سے پیش کیا۔ آپ کا یہ دیوان بنگال میں دوہا کا پہلا دیوان ہے۔

آپ کی قابلیت کا ہر کوئی معترف ہے (چند لوگوں کے سوا)۔ آپ کی نثری تحریریں بھی قبولیت کی سند حاصل کر چکی ہیں۔ شاعری کے حوالے سے آپ کی شہرت بنگال کے علاوہ پوری ادبی اردو دنیا اور اردو کی نئی بستیوں تک پھیلی ہوئی

ہے۔ ہندوستان، پاکستان کے ادبی رسالے وجرائد میں اکثر آپ کا ذکر ہمیں ملتا رہتا ہے۔

آپ کے شاگردوں کی فہرست طویل ہے جن میں کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے کلام پر اصلاح کے لئے ابتدا ہی سے اِن سے رجوع کیا جبکہ کچھ شعرا اپنے استاد کے انتقال کے بعد ان سے منسلک ہوئے۔ ایسے سن رسیدہ شعرا بھی بغرضِ اصلاح آپ سے وابستہ ہیں جنہیں علامہ ابر احسنی، جرم محمد آبادی، حشم الرمضان، شاکر کلکتوی اور شہود عالم آفاقی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا اور **کچہ ڈگری ہولڈر، صاحبِ کتاب، استاد شاعر** بھی پردے کے پیچھے سے بغرض اصلاح آپ سے منسلک ہیں۔ اربابِ نظر! اب آپ خود فیصلہ کریں کہ حضرتِ حلیم صابرؔ کو استاد شاعر کہا جائے یا استاذ الشعرا؟؟

راجہ بازار کی یہ خوش قسمتی رہی ہے کہ یہاں ہر دور میں ایک یا ایک سے زیادہ استاد شاعر موجود رہے ہیں اور عصر حاضر میں ہمارے حلیم صابرؔ کی ذاتِ گرامی موجود ہے جن کی ذات سے اردو زبان وادب کی آبیاری بھرپور طور پر ہو رہی ہے اور ایک زمانہ ان کی خدمات سے فیض یاب ہو رہا ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔

حلیم صابرؔ کا بنگال کے شعرا پر یہ بھی ایک طرح سے احسان ہے کہ وہ لوگ بھی ان کے دیوان کو دیکھ کر، دیوان کے خدوخال سے آشنا ہو کر، اپنا دیوان ترتیب دینے لگے ہیں اور اس طرح مغربی بنگال میں (۱) تسلیم نیازی نے 2012 میں غزلیات کا دیوان بنام 'لہو شعر' (۲) شمیم انجم وارثی نے 2015 میں ''ورق ورق شمیم'' کے نام سے رباعیات کا پہلا دیوان اردو ادب کو پیش کیا (۳) مسرت حسین عازم نے 2017ء میں رباعیات کا دوسرا دیوان ''چار اضداد'' اردو ادب کو پیش کیا۔ (۴) 2018ء میں غزلیات کے دو دیوان ''رقصِ الہام'' اور ''وجدِ الہام'' بزرگ شاعر سجاد شاکری نے پیش کئے۔ (۶) عاصم شہنواز شبلی نے رباعیات کا تیسرا دیوان بنام ''باغِ صنوبر'' اور (۷) ممتاز انور نے بنگال میں پہلا نعتیہ قطعات کا دیوان بنام ''بارگاہِ رسالت میں'' جنوری 2021 میں پیش کئے۔ (۸) جولائی 2021 میں سجاد شاکری نے اپنا تیسرا غزلیہ دیوان بنام ''برق الہام'' اردو ادب کو پیش کیا، جس کی خصوصیت یہ ہے کہ پورا دیوان ایک بحر میں انہوں نے کہا ہے جو فعلاتن مفاعلن فعلن کے وزن پر ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں بیسویں اور اکیسویں صدی کی تیسری دہائی تک بنگال نے جتنے دیوان اردو ادب کو پیش کئے اردو کے دوسرے دبستان میں کہیں نظر نہیں آتا۔

موصوف مختلف شعری اصناف پر طبع آزمائی ضرور کرتے ہیں لیکن غزل ان کی محبوب صنفِ سخن ہے۔ غزل کی تنگ دامانی کا شعور رکھنے کے باوصف ان کے فکر واحساس کی طراوش سے غزل کا مثبت پہلو روشن ہوتا ہے جن سے معنی کی شعاعیں پھوٹتی ہیں اور ان شعاعوں میں الحان مختلفہ کی جلوہ سامانی نظر آتی ہے۔ غزل کی روایت اور عصری زندگی کے مسائل کو فنکاری سے اشعار کے پیکر عطا کرتے ہوئے انہوں نے معنویت کی اس بلندی تک پہنچا دیا ہے جہاں تازہ کار شعرا کے لیے ان کا کلام شمعِ راہ بن جاتا ہے۔

مجرموں کے مشورے سے کارواں سازی ہوئی
رہزنوں کی بستیوں سے رہنما لائے گئے

سو جگہ سے چاک تھا پھر بھی نہ پھینکا جا سکا
جامۂ تن' زندگی بھر ہم رفو کرتے رہے

اہلِ دل' اہلِ نظر تو بعد میں پہنچے وہاں
سب سے پہلے دار پر اہلِ وفا لائے گئے

جو درسگاہ تھی وہ بن گئی تجارت گاہ
اب امتحاں کے سوال وجواب بکتے ہیں

جو خالی تھیں صداقت کے اثر سے
وہ باتیں معتبر کر دی گئی ہیں

اندھیرے بھی شعلے اگلتے ہیں اب
گھروں میں رہو شام ڈھلنے کے بعد

ہم نے سینچا ہے خونِ جگر سے اِسے
کیوں نہ شاداب ہو گلستانِ غزل

موصوف کے درج بالا متفرق اشعار ماحول شناسی، فکر کی بالیدگی اور پختہ ذہنی کی خوبصورت تمثیل ہیں۔ علامہ ناوک حمزہ پوری موصوف کی شاعری سے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''میں بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ ایسا نکھرا، ستھرا، لسانی اعتبار سے بے داغ، فنی زاویے سے چست و درست کلام فی زمانناً کم شعرا کے ہاں ملتا ہے۔ ان کے اشعار میں طرز اظہار کی تازگی بھی، عصری تصورات کی جلوہ گری بھی اور زبان وادب کو نئے رجحانات وامکانات سے روشناس کرنے کی سعی بھی ہے۔''

☆☆☆

عظمت علی عظمت (کڈپہ) Mob-9866792507

برسات کی ہر روز لگی ایسی جھڑی ہے
خود اپنی نہیں فکر کہ اوروں کی پڑی ہے

سر پر یوں مسلسل یہ مصیبت کی گھڑی ہے
جو موت کے سامان کو لے کر وہ کھڑی ہے

وہ حلقۂ زنجیر کو توڑیں گے بھی کیسے
پیروں میں جو معصوموں کے برسوں سے پڑی ہے

لگتا تو نہیں ساتھ ترے چل بھی سکیں گے
''منزل تو بہت دور ہے پر دھوپ کڑی ہے''

گھر دل میں بنانے کی اجازت ملی عظمت
یوں تیری نظر ان کی نظر سے جو لڑی ہے

سراج زیبائی (شیموگہ، کرناٹک)
Mob: 8296694020

مشتاق دربھنگوی کی غزل گوئی

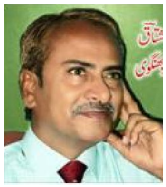

مشتاق دربھنگوی ایک اعلیٰ پایے کے شاعر ہیں۔ موصوف ہماری معاشرتی زندگی سے جڑے ہوئے وسیع معاملات اور واقعات کو اپنی شاعری میں مؤثر انداز میں قلم بند کر دیتے ہیں۔ اُن کے اکثر اشعار کے مطالعے سے فرد، زندگی اور سماج کے تئیں اُن کے گہرے مشاہدے اور تجربے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اُن کی شاعری کی زبان نہایت آسان اور سادہ ہے۔ کہیں بھی کسی قسم کی پیچیدگی کا احساس نہیں ہوتا۔ اُن کی شاعری کے مطالعہ کے دوران ہمیں شاعر کے پُرخلوص لہجے اور بنی نوع انسان سے یکساں محبت کا احساس ہوتا ہے۔ مشتاق صاحب کا انداز تو خالص روایتی ہے لیکن موزوں الفاظ کے چناؤ سے اُنہوں نے اپنی شاعری میں ندرت پیدا کی ہے۔ شاعر موصوف اپنے اردگرد کے ماحول سے کردار چن لیتے ہیں اور اپنی شاعری میں اُنہیں اس طرح بیان کر دیتے ہیں کہ پڑھنے والے ہر قاری کو اُس کا اپنا کردار محسوس ہونے لگتا ہے۔ اخلاقی قدروں کی پامالی، بے ضمیری اور خصوصیت کے ساتھ اُن کی شاعری کی ایک قدر مشترک یہ ہے کہ اُن کے اردگرد کے مسائل ومشکلات اور کرب ناک صورتِ حال کی عکاسی بھرپور انداز میں ملتی ہے:

ہیں مبتلائے جنگ وجدل اس جہاں کے لوگ
حیرت سے کیوں نہ دیکھیں انہیں آسماں کے لوگ
ہمیشہ خون کے چھینٹے پڑے مفلس کے داماں پر
سدا ظلم وستم ڈھائے گئے کمزور انساں پر
ظالم کہیں نہ پھونک دے گھر جاگتے رہیں
ہم ہو کے آج سینہ سپر جاگتے رہیں

شاعر جو اس دنیا کا سب سے بڑا احساس فنکار مانا جاتا ہے، جب وہ کسی جاں سوز حادثے سے گزرتا ہے تو جس کشمکش سے وہ دوچار ہوتا ہے اُس کو ہو بہو شعروں میں پیش کر دیتا ہے۔ کہتے ہیں انسان کا لب ولہجہ اُس کی اپنی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے جسے وہ اپنے شعروں میں ڈھال دیتا ہے۔ مشتاق صاحب کے کلام میں بعض منفی رجحانات اور روایات کی نشاندہی بھی دیکھنے کو ملی ہے۔ کہتے ہیں:

دولت کے لئے سرو وسمن بیچ رہا ہے. وہ کون ہے جو حسنِ چمن بیچ رہا ہے
گزاریں گے ہم اپنی زندگی کانٹوں کے بستر پر
مگر گل چیں کے ہاتھوں پیار کا مرہم نہ بیچیں گے

مشتاق صاحب نے انسانی زندگی کے بنیادی امور پر بڑی توجہ صرف کی ہے۔ اُن کی شاعری میں متنوع موضوعات واسالیب کی فراوانی ہے۔ اُنہوں نے زندگی کے عام موضوعات کو فکری بصیرت عطا کر کے اپنی تخلیقات کو انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ مشتاق صاحب عشق ومحبت کی وارداتیں بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

وہ جب مسکرا کر مجھے دیکھتے ہیں. تو لگتا ہے سارا جہاں خوبصورت
چاندنی رات کے سایے میں فقط تیرے سوا
کون کرتا ہے مجھے یاد بھلا رات گئے
تھے جس کے سامنے گلشن کے پھول شرمندہ
وہ روئے ناز جو مثلِ گلاب تھا کیا تھا
نزاکت کی ہے چال اُس گلبدن کی. یہ گل ہائے نقشِ قدم بولتے ہیں

مشتاق صاحب کے اکثر اشعار ایسے ہیں جنہیں پڑھ کر رہبر جونپوری کا یہ شعر بے ساختہ ذہن میں ابھرتا ہے:

قلم خاموش ہے الفاظ کی تاثیر بولے ہے
ہماری صفحۂ قرطاس پہ تحریر بولے ہے

ایک اچھی شاعری دراصل اپنے پڑھنے والوں کو جسمانی راحت اور روحانی غذا فراہم کرتی ہے۔ جناب مشتاق بھی اپنی شاعری کے ذریعہ زندگی کا صحیح عرفان اور غور وفکر عطا کرتے ہیں، جس طرح ہمارے اکثر شاعروں اور دانشوروں نے اپنی تخلیقات میں ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے اسی طرح مشتاق صاحب نے بھی سماج کے مختلف مسائل اور کرب کو اپنے فن کے کینوس پر بکھیر دیا ہے۔ پانی کے تعلق سے موصوف کا ایک شعر ہے:

کسی کے روکے سے رکتا ہے کب بھلا پانی
بنا ہی لیتا ہے خود اپنا راستہ پانی

اسے پڑھ کر ہمیں ڈاکٹر بشیر بدر کا یہ شعر یاد آتا ہے:

پتھر کے جگر والو غم میں وہ روانی ہے
خود راہ بنا لے گا بہتا ہوا پانی ہے

انہوں نے اپنی شاعری میں طبقاتی عدم مساوات کے شکار مظلوموں کے مسائل کو بھی فنکارانہ مہارت سے پیش کیا ہے۔ جناب مشتاق کی شاعری میں دل آویزی اور دلکشی کا احساس ہوتا ہے کیونکہ اُن کے ہاں فکر کے ساتھ فن کا بھی بہت نکھرا ہوا شعور ملتا ہے۔ اکثر شعر خوش آہنگ لفظوں سے مزین ہیں جس سے حسن و تاثیر دوبالا ہو جاتی ہے۔ مختلف موضوعات کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

قتل گاہیں جو یہ آباد نظر آتی ہیں . تیری خونریز سیاست کا اثر لگتا ہے

بے گناہی کی سزا دی جائے گی مظلوم کو
پھر کسی ظالم کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا

مشتاق دربھنگوی شاعری کا فن، نظم و ضبط، تکنیک کی پابندیاں ان تمام موضوعات کو ملحوظ رکھتے ہوئے شاعری کرتے ہیں جس سے شاعری کا رنگ دوبالا ہو جاتا ہے۔ اُن کے تخلیقی وجدان اور ادبی شعور کے اعتراف میں بہت سے اکابرینِ ادب نے اپنے گراں قدر تاثرات لکھے ہیں اور مختلف علمی و ادبی اداروں نے اعزازات سے نوازا۔ اُن کی شاعری میں کہیں کہیں حسن و عشق، سراپا پیکر اور فطرت نگاری کے علاوہ ترغیبی اشعار بھی مل جاتے ہیں جیسے:

آدمی کو آدمی سے پیار ہونا چاہئے
اور دل میں جذبۂ ایثار ہونا چاہئے

ہم مشتاق دربھنگوی کی شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اُن کی شاعری میں تڑپ ہے۔ نرم اور خوبصورت الفاظ میں سجائے ہوئے لطیف پیرایے میں پیش کی ہوئی شاعری ہے۔ کہیں کہیں جدائی کا کرب، ہجر کا نوحہ بھی در آیا ہے۔ کہتے ہیں:

جو تیرے ساتھ تعلق کا سلسلہ ٹوٹا۔ پہاڑ غم کا مرے سر پہ جیسے آ ٹوٹا

مشتاق صاحب کی شخصیت کئی رنگوں کے امتزاج سے بنی ہے۔ ایک اچھے صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحبِ طرز شاعر اور محقق و مبصّر بھی ہیں۔ ان دنوں مشہور و معروف اخبار ''اخبار مشرق'' سے وابستہ ہیں۔

مختلف موضوعات پر اُن کی تصانیف کی تعداد 17 ہے۔ اُن کا سب سے بڑا کارنامہ شعراء و شاعرات کی عالمی ڈائرکٹری ''گوش بر آواز'' ہے جو 783 صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں شعراء و شاعرات کی تعداد 3704 ہے۔ غرض مشتاق صاحب کی ساری ہی شاعری پڑھنے کے قابل ہے اور داد و تحسین کی حقدار بھی۔

☆☆☆

(تھینک یو کورونا....کا بقیہ)

میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ موبائل، انٹرنیٹ، خصوصاً فیس بک اور دیگر سوشل میڈیا کا استعمال اور اثرات اس ناول کے بیانیے کا حصہ ہیں جو یقیناً بہت خوب عکاسی ہے۔ کہانی گرچہ سادہ اور روایتی رومانویت پر مبنی ہے، مگر دلچسپ ہے۔ پلاٹ سلجھا ہوا اور بیان عام فہم ہے۔ کہانی کے روایتی پن سے ہٹ کر جو بات قابل تحسین ہے وہ یہ کہ کس طرح تمام حالات حاضرہ کو پیش کیا گیا ہے۔

ایسی کہانیاں آیندہ دور کے لیے تاریخی حیثیت کی حامل ہوتی ہیں کہ اِن سے عصرِ حاضر کے حقائق کا پتا چلتا ہے، انسانوں کے رہن سہن، باہمی تعلقات، اور مجموعی طرزِ زندگی کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس بنیاد پر دیکھا جائے تو مصنف اس ناول میں اپنے عہد کی عکاسی کرنے میں کامیاب رہا ہے۔ اس ناول میں تمام کردار محبت ایثار اور خلوص کے جذبات و احساسات کے حامل ہیں۔ خودغرضی اور نفسی نفسی کے اس دور میں ایسی کہانی مصنف کی بہترین مثبت سوچ کی آئینہ دار ہے۔ دراصل یہی خلوص محبت اور ایثار انسانیت کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ جب تک یہ سچے جذبے موجود ہیں، کرونا جیسی وبائیں دنیا کو تباہ نہیں کر سکتیں، کیونکہ یہی جذبے اور احساسات خالقِ کائنات کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔

کرونا پر لکھا جانے والا غالباً یہ دنیا کا پہلا ناول ہے۔ آپ نے اس دور کے سب سے زیادہ زیرِ بحث اور مخصوص موضوع پر خامہ آرائی کر کے ایک سچے ادیب کی ذمہ داری بخوبی نبھائی ہے۔ آپ کی یہ کاوش یقیناً دوسرے لکھاریوں کے لیے بھی باعث ترغیب ہے۔ قارئین آپ کی اس کاوش کو دل سے سراہیں گے، ان شاءاللہ!

ایک برمحل تحریر پر آپ کو دلی مبارکباد!
اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ آمین!

☆☆☆

AMSUNG\Pictures
not found.

عبدالمجید فیضی
12/106,Nayapara
Sambalpur-768001(Odisha)

کتنی دلکش ہے کتابِ زندگی
دیکھئے ہرایک بابِ زندگی
دوسروں کی داستاں سے کیا غرض
پڑھیے خود اپنی کتابِ زندگی
ہے نظر کا دھوکا گرچہ سر بسر
دل کو بھاتا ہے سرابِ زندگی
ہےازل سے جاری روز وشب ہنوز
لمحہ لمحہ انقلابِ زندگی
بے عمل ہیں شکوہ سنجانِ نصیب
کیوں نہ بھوگیں گے عذابِ زندگی
فیضؔی میری زندگی کا کیا شمار
مختصر سی ہے کتابِ زندگی

یوسف جمال
BhattaPadaRoad.Rajgangpur
Dist:Sundergarh(Odisha)
Mob-9861730851

گمان شب کا رہا اور نہ ہی اندھیرا رہا
پرانے لوگوں کا ہر دور ہی سویرا رہا
ہے تیرے ہاتھ میں کیا سب وہی تو کرتا ہے
کیا ہے کام کوئی ایسا تیرا نام رہا
سفر نہ تنہا کیا ڈر سے لوٹ لے نہ کوئی
مگر جو قافلہ مجھ کو ملا لٹیرا رہا
شجر کو کاٹ دیا تم نے کس لیے بولو
کہ جس شجر پہ پرندوں کا بھی بسیرا رہا
تھا ایسا وقت ہی نازک کہ بولے سنّاٹا
گداگروں کو تلاشو کہ جن کا ڈیرا رہا
گواہ میں تو مرا نام دے رہے ہو جمالؔ
میں سچ کہوں گا وطیرہ ہی میرا سچ کا رہا

اختر شاجہان پوری
RangeenChoupal
Shahjahanpur-242001(U.P)

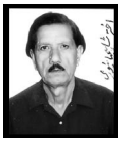

اسے کب شاہزادہ چاہتا تھا
غریبی کا لبادہ چاہتا تھا
وہ آنکھوں سے کبھی نیچے نہ اترا
زمینِ دل کشادہ چاہتا تھا
نظر انداز وہ کرتا بھی کیسے
کوئی مجھ سے زیادہ چاہتا تھا
محبت کی عبارت لکھنے والا
ورق تھوڑا سا سادہ چاہتا تھا
مجھے گمراہ بھی کرتا تھا اکثر
مجھی سے استفادہ چاہتا تھا
ملا تھا ہم سفر ایسا بھی مجھ کو
سفر جو پا پیادہ چاہتا تھا
جو منزل تک پہنچنے دے نہ اخترؔ
کبھی ایسا بھی جادہ چاہتا تھا

ارشد مینا نگری
H.No:-51,Mominpura
Malegaon-423203
Nasik(M.S)

محفلوں کا چراغ ہے اردو
منزلوں کا سراغ ہے اردو
کھولے احساس کے دریچوں کو
دلکشا وہ دماغ ہے اردو
لفظ ہر لفظ اس کا گل ساماں
سب زبانوں کا باغ ہے اردو
رکھنے محفوظ ہر اندھیرے سے
ایسا روشن چراغ ہے اردو
وا کرے حرف حرف کی تفسیر
پُرمعانی سراغ ہے اردو
آج ارشد پہ چھایے مستی سی
چھلکا چھلکا ایاغ ہے اردو

علیم صبا نویدی
266,TriplicaneHighRoad
FlatNo-16,2ndFloor.RaceMandy
Street.Chnnai-600005

مرا علم و عرفاں خدا داد تھا
شعوری خیالوں کا استاد تھا
میں سورج تھا کب ہاتھ آتا یہاں
مرا منتظر شب میں صیاد تھا
میں گردوں شکن تھا ہر اک دور میں
مرا ہر ہنر میری ایجاد تھا
عطا ہے مجھے انتقادی نظر
کہاں مجھ میں پوشیدہ نقاد تھا
مری شخصیت تو نکھرتی گئی
وہ بدنام کرکے بہت شاد تھا
قدامت پرستی سے آگے صباؔ
نئی فکر والا وہ شہزاد تھا

انیس منیری
Rampurandi.AnsarNagar
Ahmedabad-360023
Mob-8735969298

درد میں ان کے جو مبتلا ہوگیا
بے نیازانہ سب سے جدا ہوگیا
دل کہ تڑپا کیا کیا سے کیا ہوگیا
لے کے نام آپ کا بے صدا ہوگیا
زندگی اس طرح بے مزہ ہوگئی
جیسے ناراض کوئی سوا ہوگیا
کیا بتائیں کہ شکوے گلے کیا ہوئے
اک نظر میں ہمارا بھلا ہوگیا
زندگی کو ملی اک نئی زندگی
جب کبھی آپ کا سامنا ہوگیا
تھا انیسؔ انجمن میں سبھی کا مگر
ہو کے سب سے جدا آپ کا ہوگیا

بشیر احمد بشیر

NishatManzil.WardNo-13
Akhyarabad.Kishtwar-182204(J&K)

گلستاں میں بہار آیے نہ آیے
یہ بلبل نغمہ بار آیے نہ آیے
چمن دل کا ہی پامالِ خزاں ہے
گلوں پر اب نکھار آیے نہ آیے
وہ اپنے حسن پر نازاں و فرحاں
مرے دل کو قرار آیے نہ آیے
خلوص و دردِ دل ہے میرا شیوہ
کسی کو اعتبار آیے نہ آیے
یہاں بھوکے بھی ہیں اے سیٹھ صاحب
ترے دھن کا شمار آیے نہ آیے
غریبوں کو نہیں جوتی میسر
کسی صاحب کی کار آیے نہ آیے
منسٹر بن کے کھاؤ خوب رشوت
دوبارہ اقتدار آیے نہ آیے
تری محفل میں آتا ہے کوئی تو
بشیؔر دل فگار آیے نہ آیے

ڈاکٹر مسعود جعفری

موبائل۔8367391303

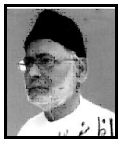

کہانی پیار کی محتاط لکھی ہے میں نے
سنبھل سنبھل کے ہر اک بات لکھی ہے میں نے
کہیں پہ دھوپ چمکتی ہے تو چمکنے دو
فراق و ہجر کی برسات لکھی ہے میں نے
اکیلے پن کا اندھیرا بھی ڈس رہا تھا مجھے
اسی لیے تو ملاقات لکھی ہے میں نے
تمہارے ذکر سے کاغذ مہک رہا تھا مگر
کہیں کہیں پہ مری ذات لکھی ہے میں نے
پرانے دور کا قصہ کبھی کا ختم ہوا
تو اپنے دور کی اوقات لکھی ہے میں نے
بھٹک گیا تھا تری یاد کی سرنگوں میں
غزل کے سُر میں مناجات لکھی ہے میں نے
خدا کے واسطے اک بار ہی پڑھو مسعوؔد
صنم کدے کی حسیں بات لکھی ہے میں نے

اسرار نسیمی

102-A,KanghiTola
QilaBreilly-243003(U.P)

سمندر سے کبھی چھوٹی ندی دیکھی نہیں جاتی
امیروں سے غریبوں کی خوشی دیکھی نہیں جاتی
تبسم لب پہ جب آیا رلانے کو چلے آیے
غموں سے میرے ہونٹوں کی ہنسی دیکھی نہیں جاتی
ہمیشہ دیکھتا ہے عیب یہ اوروں کے ہی لیکن
کبھی انسان سے اپنی کمی دیکھی نہیں جاتی
جلایا جب کبھی ہم نے بجھانے کو چلی آئیں
ہواؤں سے دیے کی روشنی دیکھی نہیں جاتی
نکل آتے ہیں آنسو آنکھ سے فرطِ مسرت میں
مری آنکھوں سے کیوں میری خوشی دیکھی نہیں جاتی
سماعت کو سخن فہموں کے اب اسرؔار کیا کہیے
ترنم دیکھتے ہیں شاعری دیکھی نہیں جاتی

اظہر نیّر

At/P.O:Barhulia.Via:KansiSimri
Darbhanga-847106
Mob-9939749452

پہلے غالب سا کرنا عمل چاہیے
پھر تمہیں کوئی لکھنی غزل چاہیے
اُس کا مطلب سمجھتے نہیں آپ ہیں
اُس کو احسان کا کچھ بدل چاہیے
تو نے حق سب کا تو دے دیا ہے مگر
اپنی محنت کا مجھ کو بھی پھل چاہیے
جینے دیتے نہیں ہیں قبیلے کے لوگ
اس اذیت کا بھی کوئی حل چاہیے
کیوں نہ انسانیت کا جلے گا چراغ
نیک کاموں میں تیری پہل چاہیے
جنگ میں جانے سے پہلے مجھ کو مگر
ماں سے ملنے کو بس ایک پل چاہیے

ڈاکٹر بدر محمدی

ChandpurFateh.Baryarpur
Dist:Vaishali(Bihar)

اک شگفتہ گلاب ہے سچ مچ
اس پہ وارد شباب ہے سچ مچ
وہ نظر کا گلاب ہے سچ مچ
آپ اپنا جواب ہے سچ مچ
پڑھ رہا ہوں اسے ہی میں پیہم
چشم اس کی نصاب ہے سچ مچ
نام اس کے کتابِ زیست مری
اک حسیں انتساب ہے سچ مچ
بن کے بت اس کے روبرو جانا
خامشی بھی خطاب ہے سچ مچ
پیاس اس سے بجھا رہا ہے کوئی
اوس بھی کیا شراب ہے سچ مچ

ڈاکٹر تبسم فرحانہ

RoadNo-7,NewKarimganj
Gaya-823001(Bihar)
Mob-9430056678

خدا کی دین یہ انساں کی زندگانی ہے
اسی سے شعبۂ ہستی بھی زعفرانی ہے
ہزاروں قصے ہیں دنیا کی گود میں پنہاں
کہیں ہے غم تو خوشی کی کہیں کہانی ہے
غرور کیوں ہے بھلا آدمی کو دولت کا
یہ دھوپ چھاؤں تو دنیا میں آنی جانی ہے
بہت سنبھال کے رکھتی ہوں ساری قدروں کو
مجھے پرانی روایت نہیں گنوانی ہے
غموں کا بوجھ اٹھانے کی تاب رکھتی ہوں
کہانی درد کی مجھ کو نہیں سنانی ہے
ہے کافی اہلِ قلم سے مری پذیرائی
ضمیر بیچ کے شہرت نہیں کمانی ہے
شعاعِ حسنِ تبسؔم جہاں میں ہے پھیلی
جہاں بھی دیکھیے اللہ کی نشانی ہے

ظفر اقبال ظفر

170,Khaildar.Fatehpur-212601
(U.P) Mob-7398451805

میں نے تو عشق میں مرنا سیکھا
تم نے بھی جاں سے گزرنا سیکھا
ہاتھ میں یوں نہیں آتے موتی
بحر میں پہلے اترنا سیکھا
پھر کیا میں نے ہے صحرا کا سفر
دھوپ میں پہلے ٹھہرنا سیکھا
مجھ میں ہے خوفِ خدا بچپن سے
میں کسی سے نہیں ڈرنا سیکھا
عمر بھر الجھا رہا موجوں سے
پھر کہیں تہہ میں اترنا سیکھا
عارض و لب کو ترے دیکھا تو
رنگ تصویر میں بھرنا سیکھا
خو یہ پائی ہے وراثت میں ظفر
کرکے احسان مکرنا سیکھا

ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمی

RahmatColony.Doranda
Ranchi-834002

لو شمعِ آرزو کی بڑھا کر چلے گئے
مجھ تشنہ لب کی پیاس جگا کر چلے گئے
گڑیوں سے سارے طاق سجا کر چلے گئے
وہ زندگی کا راز بتا کر چلے گئے
ہلکی کی سی اک اچٹتی نظر ان کی الاماں
اک اور زخم دل میں لگا کر چلے گئے
کنداں تھا میرا نام جہاں اور جس جگہ
پتھر سے میرا نام مٹا کر چلے گئے
میں ان کی اس شگفتہ بیانی کو کیا کہوں
ہر نقشِ غم کو دل سے مٹا کر چلے گئے
میں جن کو اپنے غم کا سہارا تھا مانتا
بزمی وہ مجھ سے ہاتھ چھڑا کر چلے گئے

امجد سلیم امجد

H.No:2-9-110,Mukarrampura
Karimnagar-505001(T.S)
Mob-9550664623

ہم ارتکاب کبھی جرم کا نہیں کرتے
نگاہِ دہر سے خود کو گرا نہیں سکتے
چراغ حق کے جو روشن ہیں دشت وصحرا میں
زمانہ لاکھ بجھائے بجھا نہیں کرتے
دلوں میں اپنے عزائم ہیں فتح مندی کے
محاذِ جنگ سے پیچھے ہٹا نہیں کرتے
لہو لہان ہے بارانِ اشک سے دامن
''جو زخم تو نے دیے ہیں بھرا نہیں کرتے''
ضرور آئے گی وہ صبحِ انبساط امجد
اندھیرے غم کے ہمیشہ رہا نہیں کرتے

انجینئر عزیز تنویر

ZeeshanFarmHouse.BakraMandi
chishtiyaMadrasa.Somalpur
Road.Ajmer-305003

دردِ الفت کی تڑپ جو ترے دیوانوں میں ہے
وہ جنونِ عشق تو ناپید فرزانوں میں ہے
نہ خدا خانوں میں ہے اور نہ صنم خانوں میں ہے
ملنے جلنے کا چلن اے لوگو میخانوں میں ہے
ہاں تری جلوہ نمائی اور تری موجودگی
دل میں، کعبے میں، کلیسا میں، صنم خانوں میں ہے
سیکڑوں جلوے حجابوں میں مچلتے ہیں مگر
اک تماشائے سرِ سینا کیوں افسانوں میں ہے
مندر و مسجد کے جھگڑے باعثِ تفریق ہیں
نور کیوں فرقِ تعین ترا انسانوں میں ہے
ہیں تجلی ریز جلوے تیرے ہر کون و مکاں
جستجو پھر کیوں دوانوں کو بیابانوں میں ہے
عشق کی تنویر میں جلنے کی حسرت کس میں ہے
شمع محفل میں ہے یا پھر اس کے پروانوں میں ہے

مناظر حسن شاہین

H.No-60,MillatColony.Gaya-823001
(Bihar) Mob-9661214111

شبِ سیاہ کا جب بھی علم بلند ہوا
بجھے چراغ، درِ ماہتاب بند ہوا
زمیں کی دھول ہی زخموں کا بن گئی مرہم
چلو کہ راہ میں کوئی تو درد مند ہوا
جو ایک در پہ کبھی جھک گیا خلوص کے ساتھ
وہ سر کہیں نہ جھکا اس طرح بلند ہوا
فروغِ علم سے بڑھ کر نہیں کوئی کاوش
یہ کارِ شوق زمانے کو بھی پسند ہوا
بہت غریب تھا پھر بھی ملا ہے بامِ عروج
کہ حوصلہ ہی تو اس کے لیے کمند ہوا
پیامِ امن دیا جس نے اس زمانے کو
وہی جہاں کی نگاہوں میں شر پسند ہوا
کچل کے لمحوں نے سر اس کا رکھ دیا شاہین
جہانِ سنگ میں جو بھی انا پسند ہوا

رفیق عثمانی

Akola.Maharashtra

بکھر نہ جاؤں کہیں ٹوٹ کر سنبھال مجھے
جو تجھ کو سانچہ پسند ہے اسی میں ڈھال مجھے
ملیں گے تجھ کو وفا اور خلوص کے موتی
اتر کے دیکھ لے دل میں کبھی کھنگال مجھے
اے زندگی میں تری ہر ادا سے واقف ہوں
جکڑ نہ پائے گا رنگین تیرا جال مجھے
کہ جس میں تیرا دیوانہ میں بن کے رہ جاؤں
دکھا دے ایسا کوئی کرکے تو کمال مجھے
جو اس کے رخ پہ جھلکتا ہے اس طرح سے کبھی
نظر نہ آیا کسی گل میں وہ جمال مجھے
وہ مجھ کو بھول گیا اس کا غم نہیں ہے رفیق
میں اس کو یاد نہ آیا یہ ہے ملال مجھے

ابرار نغمی
Raisen(M.P)Mob-9424433844

درد اظہار تک نہیں پہنچا
شعر معیار تک نہیں پہنچا
کیوں نہ شک ہو تمہاری نیت پر
حق جو حق دار تک نہیں پہنچا
دشمنی سے اٹھا ہوا وہ ہاتھ
میری دستار تک نہیں پہنچا
لفظِ فریاد قرض دار کسان
اپنی سرکار تک نہیں پہنچا
کون عیسیٰ ہوا جو سچ کہہ کر
تختۂ دار تک نہیں پہنچا
میرا خط لے لے آج تک قاصد
کوچۂ یار تک نہیں پہنچا
سنگِ الزام ایک بھی نغمی
میرے کردار تک نہیں پہنچا

عظمت علی عظمتؔ
4-1-1,FlatNo-204,2ndFloor
V.J.CricentHeights
Opp:NasirMasjid.BalajiNagar
Kurnool-518006(A.P)

خوں کے آنسو بہہ گئے ہیں اور بدن گھائل مرا
مجھ کو لگتا ہے کہ ٹکڑے ہو گیا ہے دل مرا
دیکھ کر تنہا مجھے اس نے کیا پیچھے سے وار
کیا خبر کب سے تھا میری تاک میں قاتل مرا
راستہ پر خار ہے منزل بھی میری دور ہے
اے خدا ہو جائے آساں یہ سفر مشکل مرا
جیسے کشتی بیچ دریا کی طرف بڑھتی گئی
دور نظروں سے مرے ہوتا گیا ساحل مرا
راز ظاہر ہو گیا عظمتؔ غضب یہ کیا ہوا
راز کو نا راز رکھا یار ناقابل مرا

سید محمد مجیب الحسن نوابی عزیزی
Mumbai

منہ دیکھا کیے ہم آئینے کا
حاصل ہے یہی تو رتجگے کا
آئیں جو پہاڑ بھی تو کیا غم
رائی ہوں ہوا کے راستے کا
دل ہے مرا خانقاہ میری
میں میر ہوں اپنے سلسلے کا
کیا اب ہے ہنروری میں رکھا
یہ دور ہے ڈھن کا اور گلے کا
ہیں ساری جہالت دسترس میں
بے کار ہے ذکر فاصلے کا
خود میں تو نہیں ہے کچھ اندھیرا
گھر جھانک رہا ہے دوسرے کا
اشعار مجیبؔ پڑھ کے دیکھو
ماہر ہوں ہرایک زاویے کا

جمیل فاطمی
At/P.O:Lakhmania.Begusarai
Bihar-851211

بہ شوق آ اے غمِ دوراں کہ ہم تیار بیٹھے ہیں
وہ ہوں گے اور کوئی حوصلے جو ہار بیٹھے ہیں
جنونِ شوق کی وارفتگی کا اب یہ عالم ہے
فریبِ وعدۂ فردا پہ ہم سرشار بیٹھے ہیں
جنھیں اپنا سمجھ کر میں نے سینے سے لگایا تھا
وہی اب گھات میں میری پسِ دیوار بیٹھے ہیں
وہی جو امن کے خواہاں تھے کل تک شہر میں اپنے
وہی ہاتھوں میں اپنے اب لیے تلوار بیٹھے ہیں
دکھا کر اک جھلک ظالم نے سب کو باندھ رکھا ہے
دوانے سیکڑوں اب بھی پئے دیدار بیٹھے ہیں
جمیلؔ اس شہرِ استبداد میں ہم بے سر و ساماں
سجا کر جنسِ نقدِ جاں سرِ بازار بیٹھے ہیں

سید محمد نور الحسن نوابی
QazipurSharif.Fatehpur
(U.P)

سنا ہے ہم نے وہ حجرے سے کم نکلتے ہیں
سو ان کی دید جو ہر روز ہم نکلتے ہیں
جسے سمجھتے ہیں دیوانہ لوگ بستی کا
ہمارے اس سے کئی کام اہم نکلتے ہیں
یہ کیسا راستہ آیا ہے زندگی کا جہاں
ہر ایک خم میں نئے پیچ و خم نکلتے ہیں
کوئی بھی راہ نئی ڈھونڈنا ہے لاحاصل
جدھر بھی جایئے نقشِ قدم نکلتے ہیں
انھیں کے ساتھ اجالوں کی کائنات چلے
لیے جو لوگ چراغِ حرم نکلتے ہیں
جگانے کے لیے خوابِ گراں سے بستی کو
پرندے اب بھی یہاں صبح دم نکلتے ہیں
تلاشِ رزق کی کوشش فسردگی بخشے
گھروں سے نور سبھی تازہ دم نکلتے ہیں

سید محمد ابرار
Prop:VenusStudio.ZilaParishad
Market.Hamirpur-210301(U.P)
Mob-9508504333

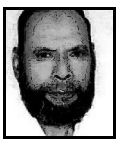

شیرازہ میری آن کا ڈر ہے بکھر نہ جایے
جاتی ہے جان جایے مگر میرا سر نہ جایے
صحنِ چمن میں رخ سے ہٹانا نہیں نقاب
ٹھہری ہوئی بہار کا چہرہ اتر نہ جایے
پانی کی ایک بوند بھی پینا نہیں قبول
جب تک مرے رقیب کا پیمانہ بھر نہ جایے
میرے طبیب آج تو اپنے مریض کو
ایسی دوائیں دینا کہ جن کا اثر نہ جایے
محفل میں اس کی بیٹھو تو اتنا رہے خیال
دل کا غبار آپ کے رخ پر ابھر نہ جایے
ابرار نامہ بر سے یہ کہتا ہے بار بار
کچھ میرے حالِ زار کی اس کو خبر نہ جایے

افسانہ

اقبال سلیم
No-97,Aiwan-E,Tahera
4thMain 8th Cross
J.H.B.C.SLayout,J.P.NagarPost
Bangalore-560111

رانجھے میاں

جانوروں اور پرندوں کی پرورش ہمارا تہذیبی ورثہ ہے۔لوگ کتے، بلیاں، گائے، بکری، گدھا حتیٰ کہ طوطا مینا اور کبوتر تک پالتے ہیں۔شوقیہ بھی پالتے ہیں اور ضرورتاً بھی پالتے ہیں۔کتے کی وفاداری ضرب المثل ہے، مرغ ہمارے دسترخوان کی زینت ہے، گائے دودھ دیتی ہے اور گدھے کا نمبر بھی بار برداری کے سلسلے میں گھوڑے اور خچر کے آس پاس ہے۔زمانہ قدیم میں حضرت عیسیٰ کے گدھے کی جو اہمیت تھی وہ آج بھی ہمارے محلے کے رامو دھوبی کے یہاں ہے۔یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی سادہ لوحی کے باعث ترقی کر کے گھوڑے کی جگہ نہیں لے سکا۔اس کے باوجود وہ آج بھی دھوبی کا آدھا بھگوان ہے اور دھوبی ہمارا آدھا بھگوان ہے۔کیونکہ گدھا نہ ہو تو ہمارے کپڑے ہفتوں کی بجائے مہینوں میں لایا کرتا۔لیکن آج تک ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ بلی میں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں کہ لوگ اسے پالنے کو فیشن سمجھتے ہیں۔یہی سوال ہم نے بیگم کے سامنے رکھا تھا مگر کوئی تسلی بخش جواب ہمیں نہیں ملا۔

ہوا یہ کہ بیگم اپنے جہیز میں جہاں ڈھیر ساری چیزیں لائی تھیں وہاں ایک بلی کا بچہ بھی تھا۔ننھا منا، بھولا بھالا جو دن بھر بیگم کی گود میں رہتا یا پھر سارے گھر میں تھرکتا رہتا تھا۔جب تھک جاتا تو بغیر موقع ومحل دیکھے بیگم کی گود میں جا لیٹتا۔وہ اس سے گھنٹوں کھیلا کرتیں جب تھک جاتیں تو ہماری خبر لیتیں۔گویا یہ رانجھے میاں تو (بیگم نے اسے یہی نام دیا تھا) ایک طرح سے ہمارے رقیبِ روسیاہ بنے ہوئے تھے۔بیگم کو ضد کہ وہ بلی ضرور پالیں گی۔ادھر ہمیں یہ فکر کہ اس کمبخت رانجھے میاں سے کوئی ایسی گستاخی یا غلطی سرزد ہو جائے کہ ہم اسے اگر تختۂ دار پر نہ چڑھا دیں تو کم سے کم ڈسمس ضرور کر دیں۔

ایک صبح بیگم بیدار ہوئیں تو چھوٹتے ہی بولیں، رات کو آپ نے سرہانے رکھا ہوا دودھ پی لیا تھا نا؟ ہم نے خالی گلاس دکھا کر کہا، ہاں پی لیا تھا، کیوں کیا بات ہے؟

وہ قدرے پریشان ہو کر بولیں، میرا لحاف ایک جگہ گیلا ہو رہا ہے اور کچھ بدبو بھی آ رہی ہے۔ضرور رانجھے نے پیشاب کر دیا ہوگا۔ہم دل ہی دل میں خوش ہوا ٹھے کہ اب کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔مگر کوئی حشر برپا نہیں ہوا۔وہ کچھ سوچ کر بولیں۔جاڑے شروع ہو گئے ہیں نا، سرد ہوا کے خوف سے میں نے کھڑکی بند کر دی تھی، باہر جانے کی راہ نہ پا کر اس نے مجبوراً یہ حرکت کی ہے۔

بیگم کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کمبخت رانجھے کا کورٹ مارشل ضرور ہو جاتا مگر وہاں کچھ بھی نہیں ہوا بیگم نے الزام اپنے سر لیتے ہوئے اسے باعزت بری کر دیا اور ہمیں سر پیٹنے کو چھوڑ دیا۔مگر رانجھے صاحب کے منہ کو مزہ لگ چکا تھا۔اگلی رات کھڑکی کھلی رہنے کے باوجود اس نے رفع حاجت کے لئے باہر جانے کی بجائے پڑے پڑے سارے بستر کا ناس کر دیا۔

چند دنوں تک یہی ڈرامہ ہوتا رہا تو ہم نے تنگ آ کر بیگم کو مرن برت کی دھمکی دے دی تو ان کے کان میں جوں تک نہ رینگی۔انھوں نے اسے بطور قید ایک سادہ سی پتلی رسی کی مدد سے کھڑکی میں باندھ دیا۔رانجھے کے لئے یہ سزا غیر متوقع تھی۔اس نے شکایت آمیز نظروں سے بیگم کو دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔

ہمارے پاؤں میں تم نے تو زنجیرِ وفا ڈالی
تمہارے ہاتھ سے کیوں دامنِ مہر و وفا چھوٹا

پھر اس نے جو صدائے احتجاج بلند کی اور چلا چلا کر گھر سر پر اٹھا لیا تو بیگم نے گھبرا کر اسے کھول دیا۔آخر بہت سوچ بچار کر کے بازار سے مٹی کا ایک کنڈا منگوا کر اس میں ریت بھر کر ایک طرف رکھوا دیا پھر رانجھے کو اس کنڈے پر بٹھا کر شش.....شش کرتے ہوئے اس کندۂ ناتراش کے ذہن نشیں کروایا کہ ''یہ تمہارا بیت الخلاء ہے، رفع حاجت کے لئے بستر وغیرہ پر جانے کی تکلیف گوارا نہ کرو''۔اس طرح اسے آہستہ آہستہ راہِ راست پر لایا گیا۔

قصہ مختصر! جوں جوں دن گزرتے گئے رانجھے میاں ہاتھ پاؤں نکالنے شروع کر دیے۔مرغن کھانے اور تینوں وقت کے دودھ نے انھیں قبل از وقت عالمِ شباب کی منزلوں میں پہنچا دیا۔نیم باز آنکھوں اور چال سے شراب کی سی مستی ٹپکنے لگی دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے ہمسایے امام صاحب کے ننھے منے کتے ٹامی سے ایک قدم پیچھے رہ گیا۔ادھر کچھ بیگم فکرمند رہنے لگیں۔باورچی خانے سے آئے دن اکثر

ایک نہ ایک چیز غائب ہونے لگی، کبھی مرغ کی ایک ٹانگ تو کبھی سموسے۔ پھر ان کی ہڈیاں اور ریزے پلنگ کے نیچے سے دستیاب ہونے لگے۔ بات سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ سب رانجھے میاں کے کارہائے نمایاں ہیں۔ ہم نے پھر صدائے احتجاج بلند کی مگر بیگم نے کوئی نوٹس نہیں لیا صرف اتنا کہا کہ وہ باورچی خانے میں قفل لگا کر سویا کریں گی مگر یہ اور بات ہے کہ قفل لگانا انھیں کبھی یاد بھی رہا ہو۔

ہمارا مکان پرانا آبائی مکان تھا چوہوں کے دو ایک بل بھی تھے۔ چوہے آنکھ مچولی کھیلا کرتے۔ مگر یہ کمبخت انھیں نوالہ بنانے کی بجائے نیم وا آنکھوں سے گھورنے پر ہی اکتفا کرتا تھا۔ جیسے وہ کوئی ڈرامہ ہو اور وہ سب اس کے کردار ہوں۔ گھر بیٹھے پکا پکایا مل جاتا تھا محنت مزدوری کر کے پیٹ پالنے کی اسے ضرورت نہیں تھی۔ ایک دن ہم نے بیگم سے کہا، بلی کا بچہ جب تک بچہ رہتا ہے بھلا اور پیارا لگتا ہے، جوان ہونے پر اس کی صنفِ نازک کے لیے اس میں کشش ہو تو ہو، مگر ہمارے لیے اس میں کوئی کشش باقی نہیں رہ جاتی۔ وہ گھر والوں کے لئے بوجھ بن جاتا ہے۔ بہتر ہے کہ اسے کسی کو دے کر دوسرا بچہ لے آئیں۔

یہ کہہ کر ہم نے یوں ہی ان کی گود میں لیٹے رانجھے میاں کا کان کھینچا تو اس نے غیر متوقع طور پر ہمارے ہاتھ پر پنجہ مار کر خراشیں ڈال دیں۔ ہم نے تلملا کر کہا، دیکھا بیگم! آپ کے لاڈلے کے کرتوت، کتنا بداخلاق اور بدتمیز ہوتا جا رہا ہے ذرا مذاق کرو تو کاٹ کھانے کو دوڑے ''یہ مجھ سے نہ ہوگا''۔ بیگم نے ہماری خراشوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا، کسی کے چھیڑے بنا نہیں کاٹتا۔ یہ رانجھا تو شیر کا بچہ ہے۔ ہم نے جل کر کہا، شیر کا بچہ ہوگا آپ کے لئے ہمیں تو یہ بلّا یا بلّی میں سے کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا۔ وہ تعجب سے بولی، کیا مطلب ہے آپ کا؟

یہ تو سراپا بزدلی کا زندہ مجسمہ ہے، ہم نے آج تک اسے کسی بلی سے عشق کرتے نہیں دیکھا، کسی سے پینگیں بڑھاتے نہیں سنا۔ امام صاحب کے ٹامی کو دیکھا ہے کس قدر مہذب اور وفادار جانور ہے۔ اپنی گرل فرینڈ سے کس قدر محبت اور شائستگی سے ملتا ہے۔

وہ دل میں اتر جانے والی ہنسی کے ساتھ بولیں۔ جناب آپ نے سمجھا کیا ہے، ہمارا رانجھا میاں تو نہایت شریف اور مستقل مزاج ہے۔ ٹامی کی طرح سڑک چھاپ عاشق اور ہرجائی نہیں۔ یہ بھابی جان کی منّو کی تنہا اولاد ہے اس کا سلسلۂ نسب نانی جان مرحومہ کی بنّو سے ملتا ہے۔ اس وقت تو ہم چپ ہو رہے مگر دل ہی دل میں یہ تہیہ کر لیا کہ اس رانجھے کے بچے کو ایک نہ ایک دن ضرور نکال باہر کریں گے۔

ایک دن ہم نے اپنے دفتر کے چپراسی گنگا رام سے سارا ماجرا کہہ سنایا اور یہ بھی کہا کہ کوئی ایسی ترکیب بتاؤ کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ گنگا رام ہنسا اور بولا، حضور آپ بے فکر رہیں میرا گھر یہاں سے تین میل دور ہے میں آج ہی آ کر اسے لے جاؤں گا اور کہیں دور چھوڑ آؤں گا۔

آج نہیں..... ہم نے وضاحت کی۔ کسی موزوں وقت پر جب بیگم گھر پر نہیں ہوں گی تب دیکھا جائے گا۔

گنگا رام بولا، اچھا تو آپ جس دن کہیں گے میں لے جاؤں گا۔

ہم نے کچھ سوچ کر کہا، ہاں یہ ٹھیک ہے۔ تم پرسوں اتوار کی دوپہر میں آ جاؤ۔ بیگم اس وقت اپنے میکے جائیں گی اور ہم کسی بہانے گھر پر رہیں گے تم بس ایک تھیلا یا کوئی باسکیٹ جس کی ڈھکّن بھی ہو لیتے آنا، باقی ہم دیکھ لیں گے۔ وہ وعدہ کر کے رخصت ہو گیا ادھر ہم اپنی تجویز پر خوش ہوتے رہے۔

حسبِ معمول اتوار کو بیگم رانجھے میاں کا خیال رکھنے کو کہہ کر اپنی امی جان سے ملنے سلطان بالیہ چلی گئیں، ہم نے سر درد کا بہانہ کر دیا۔ گنگا رام حسبِ وعدہ دوپہر کو آ گیا۔ وہ ایک باسکیٹ بھی لیتا آیا تھا جس کے ڈھکّن بھی تھی۔ ہم نے باورچی خانے سے مرغ کی ایک ٹانگ نکالی اور رانجھے کو دکھائی جو صوفے پر پڑا اونگھ رہا تھا۔ مرغ کی ٹانگ دیکھ کر اس کی نیند ہوا ہو گئی۔ وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا، ہم نے چپکے سے وہ ٹانگ باسکیٹ میں ڈال دی اور اشارے سے دعوت دی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ہمارے قریب آیا۔ چند لمحے اسے تکتا رہا اور دم کو گردش دیتا رہا۔ غالباً وہ ہماری اس غیر متوقع عزت افزائی پر ہمیں ٹٹولتا رہا پھر مطمئن ہو کر غڑاپ سے باسکیٹ میں گھس پڑا۔ گنگا رام تاک میں تھا ہی جھٹ کر آگے بڑھا اور ڈھکّن بند کر دیا اور باسکیٹ اٹھا کر سلام کر کے چلا گیا۔ ہم نے دروازہ بند کر کے اطمینان کی سانس لی اور عالمِ خیال میں رانجھے کو مخاطب کر کے کہا، خدا حافظ رانجھے میاں۔

تم بھی مر کر عذاب سے چھوٹے۔ ہم بھی داخلِ ثواب رہے

شام کو بیگم آئیں تو ہم لحاف اوڑھے پلنگ پر پڑے رہے، دل دھڑک رہا تھا۔ یہ دھڑکن کسی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ وہ لہجے میں شکر گھول کر بولیں، آپ کیوں نہیں آئے سب ہی آپ کو پوچھ رہے تھے۔

ہم نے کراہ کر جواب دیا.....اچھا!

وہ فکر مند ہو کر بولیں، کیوں طبیعت تو ٹھیک ہے؟ ٹھہریئے میں ابھی کافی بنا کر لاتی ہوں۔ وہ گئیں تو باورچی خانے کی طرف مگر ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی چیز کی تلاش میں سارے گھر میں دوڑتی پھر رہی ہوں۔ چند منٹوں بعد آ موجود ہوئیں سن رہے ہیں آپ.....وہ روہانسی ہو کر بولیں: ''رانجھا یہاں نہیں ہے''

ہم نے بے نیازی سے کہا، ہمیں کیا پتہ، ہوگا یہیں کہیں

سارا گھر چھان آئی ہوں.....آپ اٹھیں تو ذرا۔

ہم نے کراہ کر کہا، یہاں سر درد سے پھٹا جا رہا ہے اور آپ کو کمبخت رانجھے کی پڑی ہے۔ جا کر دیکھئے ٹامی کے پاس ہوگا وہاں نہیں تو اس کی ہڈیاں ضرور مل جائیں گی۔ وہ تقریباً رو کر بولیں.....خدارا.....بدفال منھ سے مت نکالیں۔

(بقیہ صفحہ 37 پر)

اقبال احمد نذیر
K.S.A,GlaxyApartment1003,
10thFloor,3rdSankliStreet
Mumbai-400008

افسانہ

ہوئے مر کے ہم جو رسوا

(یہ ایک من گھڑت کہانی ہے اس کہانی کا کسی سے واسطہ نہیں ہے)

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا

گھڑی کا گجر ایک ہی بار بجا۔ مرزا جی چونک پڑے۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جام وسبو کی مہک بتا رہی تھی کہ ہمارا مسکن کہاں ہے۔

آج مرزا جی یادِ الٰہی کے موڈ میں تھے۔ مصلیٰ بچھا کر یادِ کبریائی میں کھو جانا چاہتے تھے۔ اسی دوران گھڑی کے گجر نے ایک بار پھر اپنے ہونے کی شہادت دی۔ مرزا جی پھر چونک پڑے ''یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے'' پتہ نہیں کیا وقت ہوا ہوگا۔ اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ تشنگی جاگ اٹھی۔ گلا خشک ہو رہا تھا۔ بار بار نظر اسی طرف اٹھ جاتی جہاں سکونِ تشنگی کا خوانچہ سجا ہوا تھا۔

مرزا جی جانتے تھے کہ اسی کے عشق نے نکما کر دیا ہے۔ ہم گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ یہ کیا بے ہودگی ہے۔ میں اور یادِ الٰہی سے غافل، اونھ کہتے ہوئے مرزا جی سر بہ سجود ہو گئے۔

اب تشنگی اودھم مچا رہی تھی۔ اودھم کیا مچا رہی تھی بلکہ تانڈو ناچ رہی تھی۔ اب ہاتھ بڑھا کہ تب ہاتھ بڑھا اور ساغر چھلک پڑے۔ مرزا جی دل مضبوط کر کے پھر خداوند کی جی حضوری میں لگ گئے۔ مگر دل ودماغ سرکشی پر آمادہ تھے۔ مصلیٰ اٹھا کر تین ٹانگوں والی لنگڑی کرسی پر رکھا اور تہبند کو کمر سے کستے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔

آنگن میں قدم رکھا تو دیکھا آسمان پر چاند اپنے پورے شباب پر چمک رہا تھا۔ چاند کی روپہلی کرنیں پورے آنگن میں اپنی چاندنی لٹا رہی تھی۔ پورا آنگن بڑا رومانی منظر بنا ہوا تھا۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ آنگن میں لگے چمیلی کے پیڑ سے چمیلی کی بھینی بھینی خوشبو دل ودماغ کو معطر کئے الفت بھرا گیت گنگنا رہی تھی۔ مرزا جی مچل اٹھے اور ''لاحول ولا'' پڑھتے ہوئے گلی میں نکل گئے اور سیدھے مسجد کی طرف بڑھ گئے۔ گلی کے کتے مرزا جی کو دیکھ کر بھونکنے لگے۔ جب بھونک چکے اور سمجھ گئے کہ یہ تو اپنے مرزا جی ہیں، کچھ کتوں نے اپنے قدم پیچھے ہٹا لئے اور کچھ دنگیر قصائی کی دکان کے نیچے دبک کر بیٹھ گئے۔ گلی کے نکڑ پر بنارسی پنڈت پان والے کا باکڑا تھا جسے وہ دکان کہتا تھا اور اسی کی دکان میں مرزا جی کا ادھار کھاتہ تھا۔

روز بنارسی پنڈت پان والا مرزا جی سے پیسوں کا تقاضا کرتا کہ مرزا جی آج تو حساب چکتا کر دو، بڑی مہربانی ہوگی آپ کی' کرپا ہوگی اور روز ہی مرزا جی بنارسی بابو کو کہہ کر کتھے کے ساتھ چونا لگا کر دو چار بیڑہ پان کا بندھوا لیتے۔

مرزا جی نے اتنی رات میں پان کے باکڑے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ترچھی نظروں سے دیکھا اور جب اطمینان ہو گیا کہ دکان بند ہے تو بڑے نفیس نپے تلے انداز سے چلتے ہوئے پان کے باکڑے کے سامنے سے گزر گئے۔ گلی کے موڑ پر قدم رکھا ہی تھا کہ سامنے سے پیر بھائی دولت خاں کو آتے ہوئے دیکھا۔ جب دولت خاں مرزا جی کے قریب آ گیا تو مرزا جی نے مسکرا کر پوچھا ''ارے دولت خاں! غالباً تہجد پڑھ کر آ رہے ہو''

آج گھڑی کے گجر نے کمال کر دیا۔ لگاتار آدھے آدھے گھنٹے سے بج اٹھتا تھا۔ کیا وقت ہوا ہوگا کچھ پتہ نہیں لگ رہا تھا۔ اب گجر کے شور میں کہاں نیند آنے والی۔ اور پھر انگور کی بٹیا انگورن نے جینا دوبھر کر دیا۔ سوچا آج مسجد چلتے ہیں اور ایک ہی سجدے میں خالقِ کائنات کو راضی کر لیتے ہیں۔ مگر یہ کڑوی کسیلی نہ جانے کس کوزے سے نتھاری گئی ہے کہ ہمارا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ گئی۔ ایک پل کے لئے کہیں سرکنے کا نام نہیں لیتی۔ جسم کے ہر پور میں گھسی جا رہی ہے۔ اور یہ کیا چھپا رہے ہو؟ دولت خاں صاحب کسی کی دولت لوٹ کر لائے ہو اور ہم ہی سے چھپا رہے ہو۔ ارے! یہ بدیسی بلوری آنکھوں والی کہاں سے سپڑ گئی (مل گئی)۔ دیسی ہو یا بدیسی سب کا کام ہے نشہ دینا اور خانہ خراب کرنا۔ ہاں جب ہونٹ سے ہونٹ ملتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ دیسی ٹھرّا ہے یا بدیسی وہسکی۔

کچھ بھی کہو جو بات انگور کی بٹیا انگورن میں ہے وہ فرانسیسی گوری میم میں کہاں؟ دولت خاں چلو بہت ہو گیا یہ لُکا چھپی کھیل۔ ارے دولت خاں ہم وہ بلا ہیں جو مضمون بھانپ لیتے ہیں لفافہ دیکھ کر۔ تو اس دولت کو ہم سے نہ چھپا۔ یہ تو ہماری جان ہے، ہمارے جینے کا سامان ہے۔ ہمارے لئے آبِ حیات ہے۔ دولت خاں تو دیکھ میرا من کتنا بیاکل ہوا جا رہا ہے۔ لا اس سنہری بالوں والی بلوری آنکھوں والی کو دیکھتا ہوں کتنی منہ چڑھی ہے۔ چل اس چڈّی فراک کے چار پہیئے والے ٹھیلے پر بیٹھ کر چاند ماری کریں گے۔

مرزا جی اتنے کیوں اتاولے ہو رہے ہو؟ تھوڑا صبر کرو۔ اتنی رات میں

چکھنا کہاں ملے گا۔ چکھنا نہیں ہوگا تو یہ بدیسی انگور کی سوت مزہ نہیں دے گی۔

ایسا کرو مرزا جی ،اس ام الخبائث بدیسی مہیلا کو سنبھالو میں چکھنے کا بندوبست کرتا ہوں۔ اتنی رات میں حاجی قاسم کی الّو ہوٹل کھلی ہوگی۔ جا کر دیکھتا ہوں پہلے تو مرزا جی ندیدوں کی طرح للچائی نظروں سے اپنی جان سے پیاری کو شرارتی انداز میں دیکھا پھر والہانہ شفقت سے اس بوتل کو سہلانے لگے۔ مرزا جی کو جب یقین کامل ہوگیا کہ دولت خاں چکھنے کے لئے دور نکل گیا ہوگا۔ تو مرزا جی خود کلامی کرنے لگے کہ اپنے حصے کی دو گھونٹ مار لینے میں کون سی خیانت ہے۔

دولت خاں جب چکھنا لے کر آیا اور بوتل کو دو گھونٹ خالی دیکھا تو کہنے لگا۔ کیوں مرزا جی نفاست دکھا گئے۔

ارے کون سی نفاست ؟ کہاں کی نفاست؟ کیسی نفاست ؟ ایک ہی سانس میں نفاست کا شجرہ حسب نسب سب بیان کر دیا۔ وہ تو میں نے اپنے کی اور صرف دو گھونٹ ہی غٹکی .....دو گھونٹ میں دانت بھی گیلا نہیں ہوا۔ الٹے اور گلا خشک ہوگیا۔

جانے دو مرزا جی مزہ کر کرامت کرو۔ حاجی قاسم کی الّو ہوٹل تو بند ہو چکی تھی۔ باورچی خانے کے سارے برتن باہر برانڈے میں دھونے کے لئے رکھے تھے۔ صمدو باورچی کا چھوکرا رحیمو مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا۔ دولت بھائی تمہارے مطلب کی چیز وہاں پلاسٹک کی تھیلی میں سنبھال کے رکھ دی ہے۔ صمدو استاد کہہ رہے تھے کہ پھینک دے، کب دولت خاں آئے گا اور کب لے کر جائے گا۔ دولت بھائی دیکھ میں تیرا کتنا خیال رکھتا ہوں، پورے دو چکن کے پیس (ٹکڑے) اور دو دیگچی کی مسالے دار کھرچن، تین تندوری روٹی بھی بچا کر تیرے لئے رکھا ہے کہ دولت خاں آئے گا اور جاتے جاتے کچھ نہ کچھ دکشنا ضرور دے گا

ارے رحیمو دل چھوٹا مت کر، دل ہمیشہ بڑا رکھا کر۔ دیکھنا ایک دن میں تجھے خوش کر دوں گا۔ یہ کہہ کر دولت خاں لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے چلا آیا۔

لو جی آج تو ایسا لگتا ہے ہوٹل کے مالک حاجی قاسم کا ولیمہ ہے۔ صمدو باورچی کا لونڈا بھی خوب ہے۔ اسے جیسے الہام ہوگیا تھا کہ آج دولت خاں اور مرزا جی انگور کی بیٹی انگورن سے احتساب کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔

واقعی صمدو کے برخوردار نے کمال کر دیا۔ آج گھر کون جاتا ہے؟ پیٹ پوجا ہوگئی ساتھ ساتھ کل دیوی دیوتا کی پوجا ارچنا بھی ہو جائے گی۔ رہ گئی بات رین بسیرے کی تو بابا کا ٹھیلا ہی سرائے میر بن جائے گا۔ اور صبح بابا ہمیں خود اٹھائے گا نہیں تو خدا اٹھائے گا۔ یہ کہتے ہوئے مرزا جی جھوم گئے۔

تقریباً دس بجے مرزا جی اپنے دولت کدے پر پہنچے۔ گرد و غبار سے کپڑے کی رنگت بدل گئی تھی۔ چلتے وقت قدم بھی لڑکھڑا رہے تھے مگر جیسے تیسے گھر پہنچ گئے۔ رات کی چڑھی ہوئی انگور کی بیٹی انگورن کو اتارنا تھا۔ اب دھیرے دھیرے انگور کی بٹیا تیور دکھا رہی تھی۔ مگر جب تک جام بھر کر حلق سے نیچے نہ اترے یہ منھ چڑھی سر پر سوار رہے گی۔ اس کو فلک سے زمین پر اتارنے کے لئے اتارا لینا پڑے گا۔ گلا خشک ہے، جام و سبولا وارث کی طرح اوندھے منھ پڑے ہوئے ہیں۔

اب اتنی بھی میسر نہیں اپنے آب خوروں میں
جتنی ہم چھوڑ دیا کرتے تھے پیمانوں میں

عجب حال احوال ہوگیا.....انگورن کے فراق میں کیسا وقت آن پڑا ہے۔ خالی خالی جام و مینا، خالی سب آشائیں۔ یہ کیا ہوگیا ؟ کیسے ہوگیا ؟ ہماری حسرتوں کا کباڑا ہوگیا۔

سورج نصف النہار پر پہنچ چکا تھا۔ ظہر کی اذان ہونے والی تھی۔ اتنے میں جدّن بائی امروہہ والی کے خاص معتبر پیامبر نے مرزا جی کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر فرشی سلام کیا اور بہ آواز بلند آداب کیا۔ اس کے بعد جدّن بائی کا پیغام مرزا جی کے گوش گزار کیا۔ کنیز جدن بائی نے مرزا جی کو اپنے غریب خانے پر آج دن ڈھل جائے سانجھ کی دلہن بدن چرائے ایسے میں آپ جدن بائی کے غریب خانے کی رونق دوبالا کریں گے۔ جدن بائی کو آپ کی آمد کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔

مرزا جی کی باچھیں کھل گئی۔ پیامبرِ معتبر سے جدن بائی کو کہلوایا۔ مہمان نوازی کا شکریہ اس وقت ہم پر واجب ہوگا جب ضیافت میں مرغ و ماہی اور دخترِ انگور انگورن دسترخوان پر سجی ہوئی ہوگی۔ مرزا جی بدبداتے ہوئے مسکرا رہے تھے کہ آج مسرتوں کا جلوس نکلے گا اور بڑی ہڑبونگ رہے گی۔

سورج نے شام ہونے کا سگنل دیا۔ فلک پر شفق کے رنگ نکھر گئے تب مرزا جی بننے سنورنے لگے۔ کون سی شیروانی زیب تن کی جائے۔ باہر ٹھنڈ تو نہیں ہے مفلر کی کیا ضرورت ہے۔ یہ عطر مجموعہ، جنت الفردوس .....اوہ .....آج کوئی زناٹے دار خوشبو ہو جائے۔ عطرِ جشوش.....ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔ مرزا جی عطر سے معطر ہو کر کالی پیلی ٹیکسی میں سوار ہو کر فارس روڈ پر بچّو سیٹھ کی باڑی پر پہنچ گئے۔

ابھی مرزا جی نے کوچۂ جاناں میں قدم رکھا ہی تھا کہ بجلی چلی گئی۔ مرزا جی کا موڈ خراب ہوگیا مگر ہمت نہیں ہاری۔ اس کوچۂ جاناں میں مرزا جی کا تو آنا جانا ہوتا رہتا ہے۔ یہاں کے در و دیوار مرزا جی کی آہٹ سے بھی آشنا تھے۔

یوں پکارے ہیں مجھے کوچۂ جاناں والے
ادھر آ بے ابے او چاک گریباں والے

اس ماہِ کامل نے مرزا جی کو سلام کیا اور آداب بجالائی، فرشی سلام کرتے ہوئے الٹے قدموں سے چلتے ہوئے اپنی جگہ پر بیٹھ گئی اور کنکلی (ترچھی) نظروں سے ماحول کا جائزہ لیا۔

ہم گدا گر نہیں بس یوں ہی تمہارے آگے
ہاتھ پھیلا ہوا اور آنکھ جھکائی ہوئی ہے

آج کے مجرے کے لئے جدن بائی نے شہر کے کئی دل پھینک رئیسوں اور نوابوں کو مدعو کیا تھا۔ان بگڑے جوانوں کو جتلا دیا تھا کہ ''بے بی کی ابھی نتھ نہیں اتری ہے''

مرزا جی کی چھٹی حس کہہ رہی تھی ''یہ حسین بلا جسے جدن بائی بے بی کہہ رہی ہے اس کی تو نتھ کیا اس کی ہر چیز اتر چکی ہے''ہاں مگر قرینے سے ۱۸۵۷ والی دلی کی طرح کہ ہرایرا غیرہ لوٹ کھسوٹ کر چلتا بنے۔

مرزا جی کی تجرباتی آنکھیں چغلی کر رہی تھیں کہ جدن بائی اس مرغی کے دام مع سود وصول کرنا چاہتی ہے۔جبکہ یہ حور ماہ جبیں نتھ اترائی کے نام پر نہ جانے کس کس کا بیڈروم دیکھ چکی ہے۔جہاں دیدہ جدن بائی اچھی طرح جانتی تھی کہ اس باڑی میں یہ مال لوگوں کے لئے نیا نیا ہے۔جدن بائی کو یہ بھی معلوم تھا کہ مرزا جی کے گولک (Gullak) میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے مگر اس پیر فرتوت کے پاس شعر وسخن کا بھنڈار ہے۔

جدن بائی کبھی مرزا جی کو دیکھتی تھی تو کبھی اس ماہ جبیں کو اور اندازہ لگا رہی تھی کہ ''جوہری نے اپنی کسوٹی پر گھس کر دیکھ لیا ہے کہ سونا کتنے قیراط کا ہے۔یہ جگمگاتا نگینہ استعمال کیا ہوا ہے،نہ جانے کن کن کی انگلی کی زینت بنی ہوگی۔

مرزا جی کو اس سوئمبر سے کیا مطلب۔انہیں کیا لینا ہے اور کیا دینا ہے۔ وہ تو مرغ مسلم اور ماہیٔ بے آب اور انگورن کے ساتھ جنگ میں مصروف تھے۔بڑی زور کا رن تھا۔جدن بائی نے انتظار کی حد پار کر کے مرزا جی سے پوچھ ہی لیا۔''کہو سخنور کبوتری کس ڈال کی ہے''

مرزا جی نے ایک لمبی سانس لی اور کہنے لگے۔بائی جی! یہ گورکھ دھندا تمہیں کو مبارک۔مجھ سے میری رائے پوچھتی ہو تو میں یہی کہوں گا''مال کیسا بھی رہے مگر اس کا پیکنگ(Packing) بہت بڑھیا ہے''۔

جدن بائی جی میرا خیال ہے کہ سوئمبر اب ختم ہوا۔میرے لئے سواری منگوادو اور ہاں سواری کا کرایہ بھی دے دینا۔فی الحال ہماری بینک میں ڈاکہ پڑا ہے۔

☆☆☆

ایک قطعہ
عبدالمجید فیضی سنبلپوری

مشرق ومغرب کی تہذیبیں جدا۔مختلف اک دوسرے کی ہر ادا
اہلِ مشرق پردہ دارِ حسن وعشق۔اہلِ مغرب کو ہے عریانی روا

منیر سیفی
PillerNo-49,Samanpura
MalikLane.Patna-800014
MOb-9835268274

زور اب کے نہیں اڑان میں بھی
قید ہیں ہم غمِ جہان میں بھی
جھوٹ پر جھوٹ بولتے کیوں ہو
کیڑے پڑ جائیں گے زبان میں بھی
کر رہے ہیں جگالیاں سب لوگ
اب نیا کیا ہے داستان میں بھی
زد پہ سورج کی ہیں شجر سارے
دھوپ بیٹھی ہے سائبان میں بھی
ظلم چپ چاپ مت سہو سیفیؔ
زنگ لگ جایے گا زبان میں بھی

محمد شوکت علی شوکتؔ
H.No:7-3-108, FirstFloor
NearRaituBazar.Kashmeegudda
Dist:Karimnagar-505001(T.S)

ہر اک لمحہ شعورِ علم وفن کی آزمائش ہے
سخنور کے تصور میں سخن کی آزمائش ہے
گھٹالہ ہی گھٹالہ ہے حکومت کے خزانے میں
وطن کے حکمرانوں پر غبن کی آزمائش ہے
خرد کی لاابالی سے نہیں ملتی کوئی منزل
حصولِ علم کی خاطر لگن کی آزمائش ہے
کھلائیں پھول ہم کیوں کر محبت کے گلستاں میں
ہمارے دور میں اہلِ چمن کی آزمائش ہے
ستم کی انتہا حد سے تجاوز کر گئی اب تو
''جہاں ہم ہیں وہاں دار ورسن کی آزمائش ہے''
بچھا کر جال بیٹھا ہے جہاں صیاد اے شوکتؔ
یقیناً اس جگہ سارے ہرن کی آزمائش ہے

جمل محسن (ایڈوکیٹ)
H.No:1-9-1053,PostalColony
Subedari.Warngal-506001(T.S)

افسانہ

اپنا گھر، اپنا گاؤں، اپنا دیش

نازیہ بیگم آرام کرسی پر نیم دراز سویٹر بننے میں منہمک تھیں۔ندیم حسبِ معمول بعد نماز عصر وظیفہ میں مستغرق تھے، گھر کی خادمہ ''بی خالہ'' چائے کی ٹرے لے کر دالان میں داخل ہوئیں اور کہا، میاں سرکار! چائے..... بی اماں! چائے.....

نازیہ بیگم نے ٹی پائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا،.... بی خالہ، ادھر رکھ دو میاں سرکار وظیفہ سے فارغ ہوتے ہی میں بنالوں گی۔ندیم نے فوراً کہا، نہیں نہیں.... بی خالہ آپ ہی بنا دیجئے ورنہ چائے ٹھنڈی ہوجائے گی۔میرا وظیفہ بھی پورا ہو چکا، میں ابھی اٹھنے ہی والا تھا۔

بی خالہ نے چائے بنا کر ندیم کو دیدی۔نازیہ بیگم کو کڑھائی بنائی میں مصروف دیکھ کر کہا،.... بی اماں! چائے پی لیجئے، ٹھنڈی ہوجائے گی، اور کچھ چاہئے کیا؟ میں رسوئی میں جارہی ہوں۔ندیم نے کہا....نہیں بی خالہ....آپ جایئے۔بی خالہ ٹی پائی پر چائے رکھ کر چلی گئیں تو قدرے تحمل سے ندیم نے کہا۔محترمہ! پہلے چائے پی لیجئے، کیا سویٹر کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔سلائیاں اور اون کا گولہ ٹی پائی پر رکھتی ہوئی نازیہ بیگم نے کہا،....ابھی تو تین سویٹر اور بننا باقی ہیں۔عمران کا تو ہو چکا صالحہ کا شاید کل تک پورا ہوجائے گا، عرفان، رابعہ اور شاذیہ کے سویٹر ابھی بننے باقی ہیں اور آپ کو جانے کے لئے صرف دس دن بلکہ نو دن ہی رہ گئے ہیں۔دس تاریخ کو تو آپ کی فلائیٹ ہے، وقت کتنا کم رہ گیا ہے۔ندیم چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہنے لگے، اسے کہتے ہیں ماں کی ممتا، ارے محترمہ وہ امریکہ ہے امریکہ.....نیو یارک میں گرم کپڑوں جیکیٹوں اور سویٹروں کی کمی نہیں ہے۔نازیہ بیگم نے منہ سکوڑتے ہوئے کہا، ملتے ہونگے لیکن ان کی قدر کہاں ہوگی۔پیار بھرے تحفے جان سے عزیز ہوتے ہیں۔ویسے آپ کی پدری شفقت بھی کچھ کم نہیں ہے۔ہر سال پابندی سے چلے جاتے ہو امریکہ بیٹی، داماد، اور نواسانواسیوں کو دیکھنے کے لیے۔

اس سال تو یہ دوسری ٹرپ ہے آپ کی اور مجھے ممتا کے طعنے دے رہے ہیں۔ندیم نے بڑے ہی ریشمی لہجہ میں کہا۔میں نے تو ہر بار ہی کہا ہے کہ چلیے امریکہ کی سیر کر آتے ہیں،....لیکن نہیں .....آپ کبھی راضی نہیں ہوئیں، اچھا چلئے میں اپنی فلائیٹ کی تاریخ آگے بڑھائے دیتا ہوں۔اس بار تو چلئے سویٹر وہاں چل کر بچوں کے ناپ سے کاڑھ سکتی ہیں۔نازیہ بیگم نے بچوں کے سے انداز میں کہا،.....کیوں، میں کیوں چلوں؟ آپ کی بیٹی کیا نہیں آسکتی انڈیا اپنی بوڑھی ماں کو دیکھنے کے لیے؟ خون سفید ہوگیا ہے آج کی اولاد کا، جذبۂ محبت ناپید ہو چکا ہے۔

جنم دینے والے ماں باپ سے بھی زیادہ شریک حیات اور بچے عزیز ہوگئے ہیں۔ندیم چائے کی پیالی نازیہ بیگم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہنے لگے،....غصہ تھوک دیجئے اور چائے پی لیجئے

لہجہ کی کڑواہٹ دور ہوجائے گی۔نازیہ بیگم قہر آلود نظروں سے دیکھنے لگیں تو ندیم کا لہجہ بھی شیریں ہوگیا۔ارے نہیں نہیں نازیہ! ایسا نہیں ہے، صالحہ تو بہت تڑپتی ہے آپ کے لئے۔انڈیا لے چلنے کی ضد پر تو کئی بار وہ اپنے شوہر سے جلی کٹی سن چکی ہے۔کئی بار تو اس معاملہ کو لے کر عمران سے الجھ کر دو دو تین تین دن ناراض بھی رہی ہے۔آخر کار میاں بیوی کے درمیان مجھے ہی صلح کروانا پڑا تھا۔بے چاری مجبور ہے، کر بھی کیا سکتی ہے۔اپنے آپ میں کڑھ کر رہ جاتی ہے۔ایک لحاظ سے غلطی ہماری ہی ہے۔اکلوتی بیٹی کے لئے سات سمندر پار کے رشتہ کو ہم نے ہی ترجیح دی تھی کہ بیٹی ہماری خوش حال رہے گی۔لیکن صالحہ امریکہ کے ماحول اور زندگی سے قطعی خوش نہیں ہے۔داماد صاحب کے سر پر گرین کارڈ، امیریکن سیٹیزن شپ کا بھوت سوار ہے۔جب کہ میں نے سنا ہے کہ نئے قانون کے تحت امریکن سیٹیزن شپ ملتے ہی انڈین سیٹیزن شپ سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔صالحہ امریکن سیٹیزن شپ کے حق میں نہیں ہے۔اسی بات کو لے کر دونوں میں اکثر ٹھن جاتی ہے۔ہمارا معاشرہ ہی ایسا ہے کہ گھر میں تو بس مرد کی چلتی ہے اور عورت بے چاری جھیلتی ہے۔ساری دنیا میں صرف میرا ہی گھر ایسا ہے جہاں عورت کی چلتی ہے اور مرد جھیلتا ہے۔ندیم کی اس بات پر نازیہ بیگم برہم ہوگئیں.....کیا کہا.....کیا کہا آپ نے، اس گھر میں آپ جھیلتے ہیں اور میں ستم کرتی ہوں۔اگر ایسا ہے تو آپ فوراً اپنے ٹکٹ کی تاریخ سامنے کروالیجئے، دس تاریخ تک کیوں ستم جھیلیں گے، کل ہی نکل جایئے اپنی بیٹی نواسانواسیوں کے پاس نیویارک میں رہ جایئے۔ندیم نے ایک اور نوکیلا تیر چلا دیا، آپ نے اپنے داماد کا نام نہیں لیا۔جاؤں گا تو میں بیٹی کے پاس ہی لیکن گھر تو داماد ہی کا ہے نا۔نازیہ کا پارا اب اور چڑھ گیا، بولی.....نام بھی نہیں لینا اس شخص کا میرے سامنے۔تین سال سے قید کر رکھا ہے میری بیٹی کو۔خود تو اب تک چار مرتبہ آکر گیا ہے۔امریکن سیٹیزن تو بن گیا اب اور کیا بننا چاہتا ہے، امریکہ کا صدر؟ ایک بار بس ایک بار میرے ہاتھ لگ جائے دیکھنا پھر میں کیا کرتی ہوں۔

دس تاریخ کی رات ٹھیک نو بجے ندیم، نازیہ، بی خالہ اور ڈرائیور اسلم کے

ساتھ راجیو گاندھی ایر پورٹ کے لئے نکل پڑے راستہ میں نازیہ بیگم پر عجیب سی اداسی چھائی رہی، لیکن ندیم بہت ہشاش بشاش تھے ایسا لگ رہا تھا وہ نازیہ کو چھوڑ کر سات سمندر پار نہیں بلکہ اسے ایر پورٹ دکھانے لے جا رہے ہیں۔ گاڑی ابھی کچھ ہی دور چلی تھی کہ نازیہ نے گاڑی گھر کی طرف پلٹانے کو کہا۔ اسلم نے پوچھا، کیوں، کیا کچھ بھول گئیں کیا..... بی اماں؟ نازیہ نے کہا، ہاں! بچوں کے سویٹر شاید وہیں صوفے پر ہی رہ گئے۔ میں شاید انھیں سوٹ کیس میں ڈالنا بھول گئی۔ ندیم نے اطمینان دلایا کہ اس نے سبھی سویٹر ڈکی میں رکھ لئے ہیں ایر پورٹ پہنچ کر سوٹ کیس میں رکھ لیں گے۔ گاڑی ایر پورٹ پہنچی ندیم نے نازیہ بیگم کو گاڑی سے اتارا اور ہاتھ پکڑ کر لانج کی طرف بڑھنے لگا۔ نازیہ بیگم نے فوراً قدم روک لیے.....ارے اپنا سامان تو اتار لیجیے۔ ندیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ سامان اتارنا نہیں بلکہ چڑھانا ہے.....وہ دیکھو.....سامنے کون لوگ کھڑے ہوئے ہیں؟ نازیہ بیگم کے تعجب کی انتہا نہ رہی اس کی نظروں کے سامنے عمران، صالحہ، عرفان، رابعہ اور شازیہ کھڑے ہوئے تھے۔

بعد سلام وقدم بوسی نازیہ بیگم نے عمران سے دریافت کیا،.....بیٹے! نہ چٹھی نہ پتر نہ تار نہ ٹیلیفون.....اچانک.....عمران نے تحیر کا اظہار کیا۔ اچانک کیا؟ امی جان یہ تو چھ مہینے پہلے ہی طے ہو چکا تھا پاپا کی موجودگی میں جب پاپا وہاں آئے تھے۔ یہ سارا پلان پاپا ہی کا ہے اور آپ ہی کو پتہ نہیں۔ ہم تو مستقل لوٹ آئے ہیں۔ پاپا نے سچ ہی کہا تھا کہ اپنا دیش، اپنا گاؤں، اپنا گھر اور اپنے لوگوں کی بات ہی الگ ہوتی ہے۔ مجھے تو ایسے لگ رہا ہے جیسے میں جنت میں آ گیا ہوں۔ نازیہ نے شکایت بھری نظروں سے ندیم کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو .....ندیم! جب تم جانتے تھے تو اتنے دنوں اس بات کو مجھ سے کیوں راز میں رکھا؟ اور پھر دوسرے ہی لمحہ نازیہ بیگم کے رخ پر ایک تشکرانہ تبسم کھل اٹھا جیسے کہہ رہی ہو .....ندیم! تم نے میری خوشی کی خاطر اتنا کامیاب ڈرامہ کھیلا کہ میری اکلوتی بیٹی آج برسوں بعد ہمیشہ کے لیے میرے پاس آ گئی۔ اسی لئے شاید شوہر کو مجازی خدا کہا جاتا ہے۔ نازیہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ ندیم نے محسوس کیا کہ نازیہ بیگم اس قدر جذباتی ہو گئیں ہیں کہ کہیں اپنے بچوں کے سامنے اس عمر میں بچوں کی طرح اس کے سینے سے لپٹ جائیں گی۔ بڑی حکمت سے اس نے نازیہ کو نارمل کیا۔ پھر کہا، ارے ہاں! آپ چاہتی تھیں کہ ایک بار عمران ہاتھ لگ جائے....لو....اب یہ ہاتھ لگ گیا ہے کیجئے کیا کرنا چاہتی ہیں اس کا۔ نازیہ نے کہا، ہاں مجھے یاد ہے، آپ دیکھئے میں کیا کرتی ہوں اس نے خادمہ کو آواز دی..... بی خالہ! گاڑی سے وہ سویٹر ذرا نکال لاؤ۔ اور پھر نازیہ نے سب سے پہلے اپنے ہاتھوں سے اپنے داماد کو سویٹر پہنایا، پھر بیٹی کو اور پھر نواسا نواسیوں کو۔ اور پھر گاڑی ایر پورٹ سے نکل کر گھر کے راستے پر فراٹے بھر رہی تھی۔

☆☆☆

(رانجھے میاں کا بقیہ)

ادھر وہ روئے جا رہی تھیں ادھر ہمارا دل تھا کہ پانی پانی ہوا جا رہا تھا۔ جی چاہا کہ سب کچھ بتا دیں اور پاؤں پر گر کر معافی مانگ لیں۔ ضبط کیا اور تسلیاں دیتے رہے۔ کل ہی ایک کی جگہ دو رانجھے آ جائیں گے۔ روئے زمین پر بلیوں کی کمی نہیں ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں مگران کے آنسو تھے کہ تھمتے نظر نہیں آئے۔

رات کو چندنوالے زہر مار کر کے منھ لپیٹے پڑی رہیں۔ ان کا حال دیکھ کر ہم بھی ٹھیک سے سو نہ سکے۔ جب ضبط کا دامن چھوٹنے لگتا تو ہم یہ مصرع پڑھ کر خود کو ڈانٹ دیتے۔.....جو دل کی غلام ہو وہ عقل نہ کر قبول۔

صبح تڑکے ہی ہماری آنکھ کھل گئی۔ دروازے پر کھسر پھسر کی آواز رہی تھی، سوچا دودھ والا ہوگا مگر دودھ والا تو ہمیشہ دروازہ توڑ دینے کے درپے ہوتا ہے۔ چنانچہ دروازہ کھولا تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ گمان گزرا کہ ہم خواب تو نہیں دیکھ رہے ہیں۔ کلائی میں چٹکی لی اور سی کر کے رہ گئے یہ خواب نہ تھا حقیقت تھی۔ سامنے رانجھا یا شاید رانجھے کا بھوت کھڑا ہانپ رہا تھا۔ پاؤں کیچڑ میں لتھڑے ہوئے گلے میں ٹوٹی ہوئی پتلی رسی لٹک رہی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ بہت دور سے دوڑتا ہوا آیا ہے۔ اور جیسے ہی ہماری نظریں چار ہوئیں تو ہمیں ایسا لگا جیسے کہہ رہا ہے۔

شاید مجھے نکال کے پچھتا رہے ہیں آپ
محفل میں اس خیال سے پھر آ گیا ہوں میں

اچانک پشت سے بیگم خوشی سے چیخیں، آ گیا.....آ گیا میرا رانجھا آ گیا ہمارے منھ سے نکلا، ہاں آ گیا آپ کا رانجھا.....ہمیں اپنی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی ہوئی لگ رہی تھی۔ ☆☆☆

ایک گزارش

دنیا آج اس قدر ترقی کر چکی ہے کہ گھر بیٹھے بہت سارے کام انجام دیے جا سکتے ہیں۔ اب روپے بھیجنے کے لیے منی آرڈر کی بھی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ ہم اپنے فون سے جس کو چاہیں مطلوبہ رقم ٹرانسفر کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سارے احباب ''ادبی محاذ'' کا زرِ سالانہ اپنے فون سے آن لائن ٹرانسفر کرنے لگے ہیں۔

گزارش ہے کہ جو احباب فون سے رقم ٹرانسفر کریں تو فوراً بعد ہی میسج سے اس کی اطلاع کر دیں۔ ورنہ رقم درج رجسٹر ہونے سے رہ جایے گی۔ امید ہے اس بات پر توجہ دیں گے (ادارہ)

افسانہ

محمد طارق
InamdarHouse
Kohlapur.Tq:Bhatkoli
Dist:amravati-444802(M.S)

احساس کا قتل

تہذیب یافتہ شہر کی سرحد میں داخل ہونے والی چکنی شفاف سڑک کے دونوں کناروں پر دو مختلف بستیاں آباد ہیں۔اس بستی کو جسے لوگ مرمر کر بسا رہے ہیں.....قبرستان ٹھیک اس کے سامنے سڑک کے دوسرے کنارے پر دوسری بستی آباد ہے جہاں لوگ مرمر کے جی رہے ہیں.....جھونپڑ پٹی۔

جھونپڑ پٹی کو شہر کے غلیظ نالے ہی نے کاٹ کر الگ نہیں کیا تھا بلکہ شہر کے مہذب لوگ بھی اس علاقے سے اپنا رشتہ ایسا توڑ چکے تھے جیسے وہ علاقہ شہر کا کینسر ہو۔ہاں انتخاب کے دنوں میں سارے لیڈر اپنی ''اونچی ناک'' پر خوشبو میں بسا رومال رکھ کر اس بستی میں ضرور آتے ہیں۔بستی والوں سے برسوں پرانے گھسے پٹے وعدے کرتے ہیں اور زندگی کے خواب دکھا کر چلے جاتے ہیں۔بستی کے لوگ زندگی کے خواب دیکھتے ہوئے ہر روز مرتے رہتے ہیں۔

پچھلے دنوں بستی والوں کو زندگی کے خواب دکھانے والے ایک لیڈر نے قبرستان کی حفاظت کے لیے چار دیواری بنوائی اور اس میں خوبصورت عالی شان آہنی گیٹ بھی لگوا دیا تو بستی والوں کو لگا کہ ان کے علاقے کی رونق بڑھ گئی ہے۔وہ خوش ہو گئے۔کچھ لوگ ایک دوسرے کو جانے کس جذبے کے تحت یہ بھی کہہ رہے تھے کہ کسی لیڈر نے بستی والوں کی فکر نہیں کی مگر اس لیڈر نے ہماری موت کے بعد کے گھر کا انتظام تو کر دیا۔ہماری زندگی بھلے ہی غیر محفوظ علاقے میں گزر رہی ہو مگر مرنے کے بعد چار دیواری سے گھرا اور عالی شان گیٹ کے ساتھ ہمارے لیے یہ قبرستان محفوظ ہو گیا ہے۔

اسی محفوظ قبرستان کی ایک انتہائی خوف ناک رات گہری' سیاہ اور پراسرار' آسمان پر ستارے گویا سہمے ہوئے تھے۔ہوائیں ساکت تھیں اور جھینگروں کے راگ نے ماحول میں خوف زدہ ارتعاش پیدا کر دیا تھا۔رات کے تقریباً دو بجے ہوں گے سناٹے کو چیرتی ہوئی ایک چیخ قبرستان سے آتی سنائی دی:''بچاؤ بچاؤ...بھوت' بچاؤ بچاؤ''

چیخ سے پہلے قبرستان کے گیٹ سے پائپ نما روشنی لہراتی ہوئی باہر آئی اور اس کے پیچھے ایک شخص ہاتھ میں جلتی ہوئی ٹارچ لیے بدحواسی کے عالم میں دوڑتا ہوا گیٹ سے نکلا اور انتہائی تیز رفتاری سے سڑک پار کر کے جھونپڑ پٹی کی گلیوں میں روپوش ہو گیا۔وہاں کے بھونکتے کتے یکلخت خاموش ہو گئے۔جھینگروں کی آواز بند ہو گئی۔ہیبت ناک سناٹا چاروں طرف پھیل گیا اور قبرستان سے ڈراؤنی آوازیں بھی آنے لگیں۔لگتا تھا جیسے ہڈیاں چیخ رہی ہوں۔جیسے سوکھی لکڑیاں ٹوٹ رہی ہوں۔ہولے ہولے آواز گیٹ کے قریب آ گئی اور وہاں کفن میں لپٹی ایک لاش نظر آئی۔

وہ ایک عورت کی لاش تھی۔لاش بھی تھی یا کوئی زندہ عورت تھی؟اس کے لمبے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے' آنکھیں وحشت زدہ اور چہرے پر خوف کے سایے تھے۔وہ دھیرے دھیرے سڑک پر آئی۔شہر کی جانب جانے والی سڑک کو دور تک دیکھا۔پھر وہ جھونپڑ پٹی میں داخل ہوئی اور ایک جھونپڑی کے ٹین کے دروازے کے پاس رک گئی۔یہ جھونپڑی اجو جمال کی تھی۔اس کے باپ نے اس کا نام عبدالعزیز رکھا تھا۔مگر جس طرح اس کا باپ عبدالکلام سے کلو جمال بن گیا تھا اسی طرح عبدالعزیز بھی اجو بنا تھا۔مفلسی کے ساتھ بگڑے نام کی شناخت اسے وراثت میں ملی تھی۔

اس کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔لڑکے کا نام سجاد سے بجو ہو گیا تھا۔لڑکی کا نام سلمٰی تھا۔اسے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھے دو سال ہو چکے تھے۔سستے قسم کا پاؤڈر چہرے پر لگا کر' آنکھوں میں کاجل کی لکیر کھینچ کر اور اپنی زلفوں کو سنوار کر ٹین کے دروازے کے پاس کھڑی رہتی لیکن کسی کی بھی نظر کا مرکز نہیں بن سکی۔وہ باپ کے سینے پر ایک چٹان بن کر رہ گئی تھی۔

اچانک ایک دن وہ چٹان لڑھک گئی۔اجو جمال دہاڑیں مار کر رونے لگا۔اس کی بیوی سینہ کوٹنے لگی اور سجو کی بھی ہچکیاں بندھ گئیں۔وہ اپنی بہن کو بے حد چاہتا تھا۔اس لئے طے کیا تھا کہ جب تک بہن کی شادی نہیں ہو جاتی وہ شادی نہیں کرے گا۔

سلمٰی کے ہاتھ پیلے تو نہیں ہوئے مگر اسے پیلیا (یرقان) ہو گیا تھا۔سرکاری ہسپتال کی دوائی سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔اور معیاری ڈگری والے ڈاکٹروں کا مہنگا علاج اس کے بس سے باہر تھا۔

ایک دن سلمٰی کو چکر آیا اور وہ زمین پر گر پڑی۔اجو دوڑے دوڑے

جھونپڑ پٹی کے ڈاکٹر کو بلا لایا۔ڈاکٹر نے معائنہ کیا۔سانس نہیں چل رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک میلی سی چادر ڈھانپ کر وہ رخصت ہو گیا۔گھر میں کہرام مچ گیا۔شام کے چھ بجے اس کی تجہیز وتکفین ہوئی۔کوئی آٹھ گھنٹوں بعد جھونپڑی کے دروازے پر دستک ہوئی۔سلمٰی کے ماں باپ جوان بیٹی کے غم میں سو نہیں پائے تھے۔اس کا بھائی بھی بہن کی موت کا درد سینے میں دبائے جھونپڑی کی شکستہ چھت کی طرف تک رہا تھا۔دستک کی آواز پر تینوں اپنے اپنے بستر سے اٹھ بیٹھے اور ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے کہ آخر اتنی رات گئے دستک دینے والا کون ہو سکتا ہے؟

آخر سبھو دروازے کی طرف گیا۔جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا اس کا سارا وجود کانپ گیا۔گھگی بندھ گئی۔فوراً الٹے پاؤں اندر گیا اور لرزتے لہجے میں کہہ اٹھا:

''بھوت....سلمٰی کا بھوت....ابا اوہ...وہ''۔ابھی اس کا جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ کفن میں لپٹی سلمٰی ان کے سامنے کھڑی تھی۔اسے دیکھ کر تینوں حواس باختہ ہو گئے جیسے ان پر بجلی گر چکی تھی۔خوف سے ان لوگوں کا چہرہ بھی فق ہو چکا تھا۔ماتھے سے پسینہ بہہ رہا تھا اور زبان پر خاموشی کا قفل پڑ چکا تھا۔

''ڈرو مت!میں بھوت نہیں ہوں۔سلمٰی ہوں تمہاری سلمٰی۔تم لوگوں نے مجھے زندہ دفن کر دیا تھا''۔سلمٰی تھرتھراتے لہجے میں بولی اور قدم آگے بڑھایا۔

ماں باپ بھائی تینوں کو اس انہونی پر یقین نہیں آ رہا تھا۔وہ آنکھیں پھاڑے سلمٰی کو دیکھتے رہے۔

''میں زندہ ہوں مجھے دیکھو''۔یہ کہتے ہوئے سلمٰی ان کے قریب پہنچ گئی۔

''تم قبر سے کیسے نکلیں؟''باپ نے حیرت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

جواب میں سلمٰی نے انھیں جو بتایا اسے سن کر تینوں ہکا بکا رہ گئے۔انھیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ سلمٰی زندہ ہے۔تب سلمٰی نے روتے ہوئے کہا:

''میں نے جو کچھ بتایا وہ سچ ہے''

''ہاں میری بیٹی!تم جھوٹ تھوڑی کہو گی''۔باپ نے کہا اور اس کے بعد ماں نے بڑھ کر اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔باپ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اسے تسلی دی اور کہا اس بات کی اطلاع تھانے میں دے دیں گے۔مگر ماں نے کہا:

''رپورٹ کرنے سے ہماری بدنامی ہو گی''۔

''بدنامی کے ڈر سے کیا ہم خاموشی سے سہہ لیں جو سلمٰی کے ساتھ ہوا''۔اس کے کھائی نے غصے سے کہا۔باپ نے اس کی تائید کی۔صبح ہوتے ہی اجوا اور سبھو سلمٰی کو لے کر تھانے پہنچے اور رپورٹ لکھوائی۔لکھنے والے نے قلم روک کر سلمٰی کی طرف حیرت سے دیکھا۔اسے بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ سلمٰی زندہ ہے۔سلمٰی کا بیان سننے کے بعد تھانے دار نے ایک لیڈی کانسٹبل کے ساتھ میڈیکل جانچ کے لیے اسے روانہ کر دیا اور کچھ پولیس والوں اس ڈاکٹر کو تلاش کے لیے روانہ کر دیا۔سلمٰی کے بیان کی تصدیق ہو چکی تھی۔تھوڑی دیر بعد مجرم بھی پکڑا گیا۔اس کے سوکھے چہرے پر ڈاڑھی اور مونچھوں کی کھونٹیاں پھیلی ہوئی تھیں۔سر کے بال بے ترتیب اور گرد آلود تھے۔آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں جن میں سفاکی جھلک رہی تھی۔موٹے لبوں اور زرد دانتوں نے اس کے چہرے کو اور بھی ہیبت ناک بنا دیا تھا۔تھانے دار نے گرج دار آواز میں اس سے پوچھا:

''کیوں رے حرام خور!اس زندہ لڑکی کو کس لیے تو نے مردہ کیوں قرار دیا تھا؟''

اس نے گڑگڑاتے ہوئے کہا صاحب مجھے مت مارو۔میں آپ کو سچ سچ بتا دیتا ہوں''

''جلد بتا''

''کل رات میں اس کی قبر میں گھسا تھا''

''کیسے؟

''پائینتی کی طرف سے کھول کر''

''کیوں؟''

وہ چند لمحے خاموش رہا اور پھر کہا:

''میں سب سچ سچ بتا دیتا ہوں''۔لیکن تھانے دار کا غصہ بڑھتا ہی گیا۔اس نے زنّاٹے دار طمانچہ رسید کیا تو وہ فرش پر گر پڑا اور اس کے منہ سے خون بہنے لگا۔

دور آسمان پر''الیشر سنگھ''منٹو سے کہہ رہا تھا

''منٹو جی!دیکھو دنیا کہاں پہنچ گئی۔جس احساس نے مجھے مار ڈالا تھا آج آدمی نے اس احساس کا ہی قتل کر دیا ہے''۔

☆☆☆

تصحیح نامہ

جولائی تا ستمبر ۲۰۲۱ء کے شمارے میں انجینئر عزیز تنویر صاحب کی کتاب''العطش''پر عبدالمتین جامیؔ صاحب کا تبصرہ صفحہ 48 پر شائع ہوا ہے۔اس میں مصنف کا نام سہواً شارق عدیل لکھا گیا ہے جبکہ اصل مصنف ہیں جناب انجینئر عزیز تنویر صاحب۔قارئین نوٹ فرمالیں۔

اس غلطی کے لیے ادارہ معذرت خواہ ہے۔

فوزیہ کوثر
H.No-4-6,Keesaramandal
via:ghatikar
Dust:Medchal-501301(T.S)

وہ سہارا مل گیا

رات بھر بارش ہوتی رہی تھی جس کی وجہ سے سردی اضافہ ہوگیا تھا۔بستی کے لوگ صبح بیدار ہونے کے بعد نماز فجر ادا کر چکے تھے۔پھر اپنے اپنے گھروں میں چائے ناشتہ کے بعد باہر آئے تو ایک جگہ مجمع لگا نظر آیا۔لوگوں میں ادھر ادھر کی باتیں بھی ہو رہی تھیں ۔یہ باتیں اس گھر کے سامنے ہو رہی تھیں جو کافی خستہ حال ہو چکا تھا۔کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں یہ گھر بے حد عالی شان بنگلہ یا کوٹھی کی مانند تھا۔کافی خوبصورت اور بہترین طرز کا بنا ہوا۔کوئی کہتا اس بنگلے پر کسی حاسد کی بری نظر لگ گئی' کوئی کہتا کہ یہ گھر زلزلے کی زد میں آ کر تباہ ہوا ہے یا کسی نے دشمنی کی بنا پر اسے نقصان پہنچایا ہوگا۔اس گھر کے تمام افراد ہلاک ہو چکے تھے لیکن ایک تین سالہ لڑکا اس حادثے سے بچ گیا تھا۔وہ لڑکا آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دوسری بستی میں داخل ہوا۔اس بستی میں کافی خوبصورت بنگلے قطاروں میں کھڑے تھے۔ہر بنگلے کے سامنے کار تھی اور باغوں میں قسم قسم کے پھول کھلے ہوئے تھے۔

وہ لڑکا آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ایک چار منزلہ خوبصورت بنگلے کے سامنے رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔بنگلے کے گیٹ پر ایک تختی آویزاں تھی جس پر مریم فاطمہ احمد حسین منزل لکھا ہوا تھا۔وہ لڑکا گھر کے سامنے کھڑا ہو کر توتلی زبان میں پکارنے لگا۔ماں او ماں ،اماں جی گیٹ کھولو۔مجھے بہت زوروں کی بھوک لگی ہے۔کچھ کھانے کو ہو تو دو۔اس کی آواز سن کر ایک خاتون گیٹ پر آئیں تو انھیں وہ معصوم سا لڑکا نظر آیا جو کھانے کو مانگ رہا تھا۔مریم فاطمہ تھا بے حد نیک طینت رحم دل اور ہمدرد خاتون تھیں۔لڑکے کو اندر لے جا کر کرسی پر بٹھایا اور اس کا حال چال پوچھنے لگیں۔اس معصوم بچے نے اپنی توتلی زبان میں گھر کے تباہ ہونے کی بات بتائی اور یہ بھی کہا کہ میرے ماں باپ اس حادثے میں گزر گئے ہیں اور میں اکیلا ہو گیا ہوں۔اس کی روداد سن کر خاتون کو بہت صدمہ ہوا۔اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے تسلی دی۔اتفاق سے مریم فاطمہ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔جس کے لئے منتیں مرادیں مانگیں لیکن اولاد سے محروم ہی رہیں۔اس لڑکے کو دیکھتے ہی سوچا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا ہوا ایک بہترین تحفہ ہے۔مریم فاطمہ نے اسے اپنے ہاتھ سے کھلایا۔کھانے کے بعد وہ بچہ کمرے کے اندر کھیلنے لگا۔جب ان کے شوہر احمد حسین گھر آئے تو لڑکے کے بارے سن کر انھیں بھی دکھ ہوا۔پھر مریم فاطمہ اور احمد حسین بیٹھے باتیں کرتے ہوئے اس لڑکے کو پاس بلایا پوچھا تمہارا نام کیا ہے۔اس نے کہا غنی احمد۔مریم فاطمہ نے کہا اس گھر کو آج سے تم اپنا گھر سمجھو۔اب تم ہمارے بیٹے کی طرح رہو گے۔غنی احمد بہت خوش ہوا۔اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

مریم فاطمہ کے دل میں یہ امید بھی جاگی کہ غنی احمد ان کی ضعیفی میں سہارا بنے گا اور تنہائی کو دور کرنے کے لیے لاجواب تحفہ بھی ہوگا۔انھوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اب اولاد کی کمی انھیں محسوس نہیں ہوگی۔انھوں نے اس لڑکے کی پرورش بڑے جتن سے کی اور اس کے لئے قیمتی کھلونے بھی منگوا دیے۔دن گزرتے گئے اور غنی احمد بھی چار سال کا ہو گیا۔ایک پرائیویٹ اسکول میں اس کا داخلہ کرا دیا گیا۔اس کے ساتھ ہی قریبی مسجد میں اسے عربی اور اردو کی تعلیم بھی دلوائی۔وقت تیزی سے پرواز کرنے لگا اور دیکھتے دیکھتے غنی احمد دسویں جماعت تک پہنچ گیا۔مریم فاطمہ نے اسے دعائیں دیں اور کہا کہ اللہ کرے کہ غنی احمد دسویں امتحان میں کامیاب ہو جائے۔اور آگے پڑھے تا کہ اس کا مستقبل شاندار ہو۔غنی احمد نے کہا کہ میں آگے پڑھ کر ایک کامیاب وکیل بنوں گا۔

وہ اپنے لے پالک والدین کی ہر طرح خدمت کرتا اور ان کا بڑا خیال رکھتا تھا۔وہ بڑا با اخلاق بھی ثابت ہوا۔دن گزرتے گئے اور جب غنی احمد نے ایک وکیل بن کر کامیابی حاصل کی تو ماں باپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔اور پھر اسی سال ہی غنی احمد کی شادی ایک خوبصورت ،نیک ،خوش مزاج لڑکی زہرہ فاطمہ سے کرا دی گئی۔زہرہ فاطمہ ایک سگھڑ لڑکی تھی۔وہ اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی نبھانے لگی۔ساس اور سسر اس کے برتاؤ سے بہت خوش تھے۔غنی احمد اپنی وکالت کے فرائض بہتر طریقہ سے انجام دینے لگا۔شادی کے چند دن بعد ہنی مون کے لیے دونوں نینی تال گئے۔وہاں سیر و تفریح کر کے ہفتہ بھر بعد ہی واپس آ گئے۔

گھر کا ماحول اچھا خاصا ہنستا کھیلتا بہت ہی خوشگوار ہو گیا۔ویسے بھی احمد حسین اور مریم فاطمہ کا گھر تمیز و تہذیب اور محبت کا گہوارہ تھا۔غم کے بادل کبھی نہیں چھائے۔انہوں نے اپنی بیوی اور بہو کو فیشن پرستی اور فحش و عریانیت سے کافی دور رکھا۔اس لئے ہر وقت پردے کا خیال رکھا جاتا تھا۔بہو زہرہ فاطمہ نے ایک دن کہا کہ میرا ارادہ ہے نوکری کرنے کا۔لیکن ساس سسر نے انکار کرتے ہوئے سمجھایا

کہ دیکھو بیٹی ہم مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے ہیں مسلمان کی طرح زندگی گزاریں گے۔ ہمارے پیارے نبیؐ نے فرمایا ہے کہ عورت کی کمائی جائز نہیں ہے۔ اور عورت کو پردے میں رہنے کا حکم فرمایا ہے۔ ہم کو ان کی باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔ مریم فاطمہ نے بہو سے پوچھا، برا تو نہیں لگا۔ بہو نے کہا نہیں اماں! مجھے کچھ برا نہیں لگا۔ آپ کی باتیں بالکل صحیح ہیں اماں! آپ کی نصیحت سر آنکھوں پر۔ اس کے بعد پھر کبھی اس نے نوکری کا نام ہی نہیں لیا۔ بس ان کی ہی باتوں پر عمل کرتی رہی۔ غنی احمد کو معلوم تھا کہ گھر کے مربی ہی سب کچھ ہوتے ہیں۔ ان کی دعائیں ہی ہمارے لئے کافی ہیں۔ ان کی خدمت کرنے سے اللہ تعالیٰ بھی ہم پر مہربان ہوتا ہے۔ دنیا میں اور آخرت میں بھی اس کا اجر ہمیں دیتا ہے۔ اس لیے وہ ان کی خدمت دل و جان سے کرتا تھا۔ زہرہ فاطمہ بھی اپنی ساس کو ماں کی طرح سمجھتی تھی۔ اس کی ایک خاص عادت تھی کہ جب کوئی غریب نظر آتا تو کچھ نہ کچھ خیر خیرات کرتی۔ رمضان المبارک کے موقع پر زکوٰۃ وغیرہ دیتی۔ اس طرح کے کاموں سے اسے دلی سکون ملتا تھا۔

موسم بدل چکا تھا گرمیوں کی چھٹیاں تھیں۔ تب غنی احمد نے کشمیر کی سیر کا ارادہ کیا۔ اس نے سوچا وہاں جا کر سب کا دل بہل جائے گا۔ پھر کیا تھا سب لوگ تیار ہو گئے۔ اور کشمیر میں تین دن رہنے کے بعد گھر واپس آ گئے۔ وادیٔ کشمیر دیکھ کر سبھی خوش ہو گئے۔ مریم فاطمہ کہنے لگیں کہ کشمیر لے جا کر غنی احمد نے ہمیں خوش کر دیا۔ واقعی بیٹا ہو تو غنی احمد جیسا جس نے ہمیں اولاد کی کمی کبھی محسوس ہونے نہیں دی۔

سہانی شام تھی، جاڑے کا موسم اپنی خوبصورتی کا سماں پیش کر رہا تھا۔ مریم فاطمہ اور بہو اندرونی آنگن میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ مریم فاطمہ کسی کہانی کی کتاب پڑھنے میں مصروف تھیں جب کہ بہو تر کاری بنا رہی تھی۔ شام کے سات ہی بجے ہوں گے۔ اسی وقت غنی احمد اپنے کام سے فارغ ہو کر گھر واپس ہوئے اور مریم فاطمہ کے پاس جا بیٹھے اور کہا امی جان! اس بار جب سردیوں کی چھٹیاں ہوں گی تو میں آپ کو اور زہرہ فاطمہ کو عمرہ پر لے جاؤں گا۔ اس طرح مجھے بہت خوشی ہوگی۔ امی جان! اس بارے میں آپ کیا کہتی ہیں؟ مریم فاطمہ نے بہت مسرت بھرے لہجے میں کہا کہ بیٹا! یہ بات تیرے منہ سے سن کر بے انتہا خوشی ہوئی اور اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگیں۔ ان کی آنکھوں میں ممتا بھری خوشی کی نمی جھلک رہی تھی۔ سردیوں کی چھٹیاں شروع ہو گئیں تو پھر فلائیٹ کا بھی انتظام ہو گیا۔ جانے کی تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ احمد حسین، مریم فاطمہ، زہرہ فاطمہ کو ساتھ لے کر غنی احمد عمرہ کے لئے نکل گیا۔ چند گھنٹوں کا سفر آسانی سے طے ہو گیا اور سبھوں نے عمرہ بھی بڑے اہتمام سے ادا کیا۔ تقریباً بیس دنوں بعد وہ لوگ ہندوستان واپس ہوئے۔ سب ہی خوش تھے کہ ہمارا عمرہ ادا ہو گیا۔ مریم فاطمہ بیٹے سے اس قدر خوش تھیں کہ ہر نماز کے بعد بیٹے کے حق میں دعا مانگتیں کہ ''اے خدا! ہمیشہ میرے بیٹے پر کرم کی نظر رکھا اسے عمر بھر خوش و خرم رکھ اس پر کبھی کسی غم کا سایہ نہ ہو''۔ وقت پر نماز پڑھنا اور تلاوتِ کلام پاک ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔ ہر سال رمضان المبارک میں خیر خیرات کرنا کبھی نہیں بھولتیں۔ وہ اگر کسی کی مدد کرتیں تو اس طرح کہ ایک ہاتھ کی خبر دوسرے ہاتھ کو نہیں ہوتی تھی۔ غنی احمد نے اپنی ماں کی دعاؤں کے طفیل مہینے بھر کے اندر ایک کار خرید لی۔ اس کے بعد وہ اکثر اپنی ماں اور اپنی بیوی کو کار میں بٹھا کر سیر کے لئے نکل جایا کرتا تھا۔ سیر کرتے وقت بازار سے تحفے خرید کر اپنی ماں اور بیوی کو دیتا تھا۔ کبھی طلائی ہار تو کبھی جھمکے خرید کر دونوں کو پیش کرتا تھا۔

زہرہ فاطمہ کو ایک بچے کی خواہش ہوئی تو اپنی ساس سے اولاد کے لیے دعا کرنے کو کہا۔ مریم فاطمہ نے کہا، بیٹے! تمہیں کہنے کی ضرورت نہیں' کیونکہ میں یہ دعا ہر روز کرتی رہی ہوں۔ دن گزرتے گئے اور پھر رمضان کا مہینہ آ گیا۔ انھوں نے دل میں یہ تہیہ کر لیا کہ اس ماہ پورے روزے رکھ کر غنی احمد کی اولاد کے لیے دعا کروں گی۔ ان کی دعائیں مقبول ہوئیں اور ایک سال کے اندر غنی احمد ایک چاند سے بیٹے کا باپ بن گیا۔ بیٹے کا نام رسول احمد رکھا گیا۔ پورے گھر میں خوشیوں کی بارش ہونے لگی۔ زہرہ فاطمہ بیٹے کی خوشی میں جھومنے لگی۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے غنی احمد کو کسی چیز کی کمی نہیں رہی۔ اپنے گھر سنسار کے ساتھ ساتھ بیٹے کی تعلیم میں اپنی زندگی کے شب و روز گزارتا اور اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گزار رہتا۔ جب کہ ماں مریم فاطمہ بھی بے حد خوش تھی کہ اسے مستقبل کا ایک سہارا مل گیا ہے۔

☆☆☆

MSUNG\P
Ansari.jpg
not found.

محسن عظیم انصاری
NafeesaAzeemHome.538Kha/200
BehindCharMinarMasjid.Rooppur
Lucknow-226020(U.P)

زباں کو داب کر کرنا خطاب آہستہ آہستہ
بنانا آبجو کو اک سراب آہستہ آہستہ
نہ کچھ سمجھا نہ کچھ جانا کیا اس نے مخاطب یوں
جداتن سے ہوئی سب میری تاب آہستہ آہستہ
تعلق' دوستی' اخلاص اور افہام و دلجوئی
کہ بن جاتے ہیں رشتوں کا نصاب آہستہ آہستہ
شجر' برگ و ثمر شاداب ہیں اس واسطے لوگو
کھلاتی پالتی اس کو تراب آہستہ آہستہ
مسلماں اس جہاں میں گر رہیں مل جل کے آپس میں
عظیم اپنے تعلق میں پھر آتا ہے شباب آہستہ آہستہ

صادق علی انصاری
Nasheman,
198A,ShaikhSarai
Sitapur-261001(U.P)

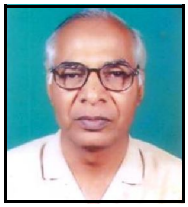

افسانچے

جواز

ایک طویل عرصے سے گاؤں کا پی۔ایچ۔سی صرف کاغذ پر چل رہا تھا مریضوں کے نام بس یوں ہی فرضی دکھادیے جاتے تھے۔دوائیوں کی خریداری اور استعمال کا رجسٹر بھی مین ٹین تھا۔آڈٹ بھی اسی طرح ہوجایا کرتا تھا۔

گرام پنچایتوں کے مؤثر قیام کی وجہ سے گاؤں کا نقشہ بالکل بدل گیا۔

اب ڈاکٹر اور اراکین پی۔ایچ سی باقاعدہ ڈیوٹی پر آنے لگے۔ڈاکٹر صاحب سے پردھان جی نے کہہ رکھا تھا کہ اگر کبھی واپسی میں دیر ہوجائے تو میرے گھر کو اپنا ہی گھر سمجھیں کسی طرح کی تکلیف نہ اٹھائیں۔

ایک دن پردھان جی نے بیٹی پارو کے ہاتھ میں رومال دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کو دیکھ لیا۔اور اگلے روز صبح تڑکے رج بہا میں اٹکی ہوئی ایک لاش کو سب سے پہلے علاقے کے چوکیدار نے دیکھا تھا۔

افسوس

اس تعلیم اور روشن خیالی کے باوجود معاشرے میں ایک بیوہ کو وہ حیثیت آج بھی نہیں حاصل ہے جس کی وہ حقدار ہے۔ہمدردی کے بجائے لوگ اسے ایسی نظروں سے دیکھتے ہیں جیسے وہ بھوکی ہو اور ان کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا ہو۔انہیں قطعی کٹ پیس یا سیکنڈ ہینڈ مال کی طرح سمجھا جاتا ہے۔جس کو صرف خاص قسم کے ضرورت مند خریدتے ہیں۔

بن باس

لڑکی کی والدہ پوچھنے لگیں کہ آپ کی فیملی میں اور کون کون ہیں؟

میں جواب میں گویا ہوتا ہوں۔جس بیٹے کے لیے میں گفتگو کر رہا ہوں اس کے علاوہ دو بیٹے اور ہیں۔تین عدد بیٹیوں کی شادی کر چکا ہوں۔میری بیوی دو سال سے مستقل بیمار ہیں۔لڑکی کی والدہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا" آپ کی فیملی بہت بڑی ہے

یہ لوگ جو میرے بیٹے کو اپنی بیٹی کے لیے دیکھنے آئے ہیں۔ایک چھوٹے سے گاؤں کے رہنے والے ہیں۔یہ لوگ بھول رہے ہیں کہ ان کی بیٹی تو ہمارے گھر شہر میں آرہی ہے

لڑکی والوں کا جواب سن کر خاموشی سے برداشت کرلیا ان سے کچھ بھی نہیں کہا اور وہ لوگ چلے گئے۔ان کے جانے کے بعد اپنے آپ سے بدبدایا" آپ کی بیٹی کے ساتھ بیٹے کا رشتہ طے کرکے میں اپنے دو بیٹوں کا بن باس نہیں کرنا چاہتا☆☆☆

ایڈوکیٹ حبیب ریتھ پوری
Rith Pur.Dist:Amravati-444704
Mob-9403860486

افسانچے

انوکمپا

ایک تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوان اپنے ہم عمر ساتھیوں میں سے دو ساتھیوں ان کے سرکاری ملازم باپ کے انتقال کے بعد انوکمپا کے بیس پر مل جانے والی سرکاری ملازمت کو دیکھ کر سوچنے لگا۔

میرے ابا بھی تو سرکاری ملازم ہیں اور جلد ہی ریٹائرڈ بھی ہونے والے ہیں۔کاش...............وہ...........بھی.........؟؟

سایہ اور بوجھ

یوں تو ماں باپ اولاد کے سر پر سایہ ہوتے ہیں۔مگر جب وہی اولاد خود صاحبِ اولاد ہوجاتی ہے تب یہی والدین جو کبھی ان کے سر کا سایہ تھے۔.........
سر کا بوجھ بن جاتے ہیں۔

اندر کی بات

باپ بستر مرگ پر جانکنی کی حالت میں تھے۔دور قریب کے سارے رشتے دار جمع تھے۔مریض کے بیٹے اور بہو دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔سارے رشتے دار ان کو تسلی دے کر ڈھارس بندھا رہے تھے اور بیٹھے کہہ رہے تھے۔

خدا ان کی ایک بار زندگی دیدے۔اٹھا کر کھڑا کردے۔وہ کچھ نہ بھی کریں...........اور صرف یونہی بیٹھے رہیں.تو کافی ہے....ہمیں ان کی ضرورت ہے سمجھنے والے تو سمجھ ہی گئے.......کیونکہ انھیں ہر ماہ بیس ہزار روپے جو پینشن ملتی ہے۔(یہ اندر کی بات ہے)☆☆☆

قاضی مشتاق احمد صاحب کو صدمہ

علمی،ادبی اور تعلیمی حلقوں میں یہ خبر انتہائی غم کے ساتھ پڑھی جایے گی کہ معروف ادیب وڈراما نگار قاضی مشتاق احمد صاحب کی اہلیہ و سابق ممبر پارلیمنٹ ایس ایس سید کی دختر کا ۲۲ ستمبر ۲۰۲۱ء کو مختصر علالت کے بعد پونے میں انتقال ہوگیا ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمایے اور قاضی خاندان اور دیگر رشتہ داروں کو صبرِ جمیل عطا کرے۔آمین ثم آمین یارب العالمین۔

☆☆☆

ڈاکٹر سیفی سرونجی
Editor,AalmiIntesaab
SaifiLibrary.Sironj

میں نے دنیا تری جاگیر بھی ٹھکرائی ہے
تب کہیں علم کی دولت بھی یہاں پائی ہے
صرف الفاظ کے اظہار میں سچائی ہے
میرے شعروں میں گہرائی ہے نہ گیرائی ہے
یہ کتابیں تو مرا قیمتی سرمایہ ہیں
میں اکیلا ہوں، میرا کمرہ ہے، تنہائی ہے
شخصیت آپ کی اخلاق میں پوشیدہ ہے
اپنے کردار کی سب سے بڑی سچائی ہے
ہر غلط بات پہ خاموش رہیں گے کتنا
بات کہنے میں مگر اور بھی رسوائی ہے
ایک اللہ ہے مرے ساتھ میں ہردم ورنہ
کوئی ہمدرد ہے میرا نہ کوئی بھائی ہے

کے انیس اظہر
Periyapet.Vaniyambadi
Vellore-1Mob-7092857345

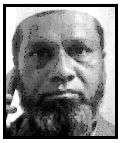

اب اسے روز کا معمول بنا رکھا ہے
اپنا گھر سب کے لیے ہم نے کھلا رکھا ہے
جان لے لے گی کسی دن وہ دوا خود اس کی
زہر کا نام یہ جس نے بھی دوا رکھا ہے
میں نے چاہا ہے دل و جاں سے بھی بڑھ کر تم کو
اور تم نے مجھے دانستہ بھلا رکھا ہے
انتظار اس کا ہر اک رات کیا کرتا ہوں
اس لیے در پہ دیا میں نے جلا رکھا ہے
حسرتِ دید لیے پھرتا ہوں مارا مارا
ایک ہی غم ہے جو دنیا سے چھپا رکھا ہے
غم زمانے میں سبھی کو ہیں مگر اے اظہر
تم نے رو رو کے برا حال بنا رکھا ہے

م۔سرور پنڈولوی
RoaseStudyCiecle.NayaTola
StaionRoad.Pandaul
Dist:Madhubani847234(Bihar)

یہی ایک چرچا تو اب کو بہ کو ہے
کہ میں ہوں ترا اور بس میری تو ہے
عدو میں ہماری ہی اب گفتگو ہے
ہمارا جو بھائی کھڑا دو بہ دو ہے
ہو خلوت کہ جلوت نہیں فرق کوئی
تمہارا ہی چہرہ مرے روبرو ہے
میں سمجھا کہ رن میں ہے دشمن مقابل
جو دیکھا پلٹ کر کے اے یار تو ہے
کوئی شعر سمجھے نہ سمجھے زمانہ
تری داد پکی اگر خوش گلو ہے
ادب میں سفارش سے اعزاز چاہے
تو سرور پہ میری بھی ہاں آخ تھو ہے

محمد اظہر رسول
C/O:ShaukatSabaKaifi.Saba
House.SouthMohalla
WardNo-15.Piro-802207
Bhijpur(Bihar)

زمین بھول گئے آسمان بھول گئے
طیور جس گھڑی اپنی اڑان بھول گئے
وہ اپنے پرکھوں کے ورثے کو یاد کیا رکھتے
جو اپنی بستی کا کچا مکان بھول گئے
تمہارے حسنِ وفا کا ہے یہ اثر جاناں
پرانے زخموں کے سارے نشان بھول گئے
یقین جانئے جس دن سے مفلسی آئی
تمام دوست مرے مہربان بھول گئے
تھا جن پہ فخر بزرگوں کو کامیابی کا
"بڑے ہوئے تو وہ اردو زبان بھول گئے"
غزل نگاری کا اظہر سلیقہ رکھتے ہوئے
عروض و بحر کے سب درمیان بھول گئے

قیصر واحدی
H.No:235/100,NoorColony
YerkhedaRoad,GaliNo-1,
DheepaToli
Kamptee-441001(Nagpur)

ابر چھایا ہوا فلک پر ہے
آج ہر لمحہ کیف آور ہے
دھوپ غم کی نہ اس کو جھلسا دے
پھول کی طرح اس کا پیکر ہے
شکلِ انساں نظر نہیں آتی
چہرہ انسانیت کا گھر گھر ہے
آدمی تہہ کو پا نہیں سکتا
زندگی آگ کا سمندر ہے
چارہ جوئی تو کر رہا ہے طبیب
آگے بیمار کا مقدر ہے
تو کہاں ہے نگارِ بے پروا
منتظر آج تیرا قیصر ہے

محمد آصف
NoorColony.GaliNo-1
DheepaToli.P.O:Pundag
P/S:jagarnathpur.834004
Jharkhand

اپنی کہانی ایک فسانہ مشکل ہے آسان نہیں
درد میں ڈوبی غزل سنانا مشکل ہے آسان نہیں
درد کا تکیہ، درد کی چادر، درد سے رشتہ اپنا ہے
سرمایے میں درد خزانہ مشکل ہے آسان نہیں
خواب سنہرے ٹوٹتے رہنا اور کرچی بھی چبھ جانا
ایسے میں بس چلتے جانا مشکل ہے آسان نہیں
چبھتی غزلیں، ٹوٹے نغمے، بکھرے الفاظ عجیب
ایسی کہانی پڑھنا پڑھانا مشکل ہے آسان نہیں
آصؔف بہت کچھ درد سمیٹے جینا میں نے سیکھا ہے
حالات کے پتھر یوں کھانا مشکل ہے آسان نہیں

محمد ہارون سیٹھ سلیم

Saiban2/3,SpencerRoad
FraserTown.Bngalore-560005

ملو آپ ہم سے مکرر سہہ کرر
ملو چشمِ نم سے مکرر سہہ کرر
کروگے اگر اپنے دل میں ارادہ
ملوگے سنم سے مکرر سہہ کرر
قدم دو قدم آگے بڑھ کر تو دیکھو
ملو ہم ودم سے مکرر سہہ کرر
وہ تحریر الٹی ہیں لکھنے کے عادی
ہمارے قلم سے مکرر سہہ کرر
بنا روح کے جسم آیے گا کیسے
وہ ملکِ عدم سے مکرر سہہ کرر
ہیں حور و ملائک بھی ملنے کے خواہاں
وہ آیے حرم سے مکرر سہہ کرر
سلیم اپنے گھر میں ہے رحمت خدا کی
تو ان کے قدم سے مکرر سہہ کرر

محمد ممتاز شعور

Qtr.No:E/2.P.W.D.Colony
BrooksHill.P.O:sambalpur-1
Odisha

کیا خوشی دیتے وہ غم دے گئے نذرانے میں
اب میری خاک اڑا کرتی ہے ویرانے میں
چند لمحوں کی ہے مہمان میری زیست مگر
ان سے تاخیر ہوئی کیسے اِدھر آنے میں
لاکھ سمجھاؤ نہ سمجھیں گے یہ اربابِ ستم
لطف کتنا ہے محبت بھرے افسانے میں
وقتِ رخصت جو نظر آئیں تری آنکھیں نم
ہوش باقی نہ رہا پھر ترے دیوانے میں
میرے کاشانۂ دل میں تھی بڑی تاریکی
آپ آیے تو ہوئی روشنی غم خانے میں
شمع جلتی ہے تو میں سوچنے لگتا ہوں شعور
حوصلہ کتنا بلند ہوتا ہے پروانے میں

شکیل سہسرامی

NearRahmanMasjid.Mohalla
Samanpura.Rajabazar
Patna--14(Bihar)

پوچھئے مت کہ وہ کہاں تھا کبھی
دیکھئے دیکھئے یہاں تھا کبھی
رشک کرتے تھے لوگ ملنے پر
کس قدر آدمی گراں تھا کبھی
اب کہ لیتا نہیں ہے نام کوئی
صاحبو! حاصلِ بیاں تھا کبھی
اس لیے تک رہا ہوں حسرت سے
یہ کھنڈر دوستو مکاں تھا کبھی
میں بھی اے جانِ من زمانے میں
خوبصورت، حسیں جواں تھا کبھی
عکس بن کے یہی شکیلؔ ترا
تیری تصویر سے عیاں تھا کبھی

شاہنواز انصاری

MohallaMahtwana.Machhli
Shaher.Jaunpur-(U.P
Mob-7398506948

سمجھ میں کچھ نہیں آتا حقیقت یا فسانہ ہے
خلا میں کیا کسی شے کا بھی ہوسکتا ٹھکانہ ہے؟
کبھی شکوے، کبھی آہیں، کبھی الجھن، کبھی ٹیسیں
یہ دنیا جس کو کہتے ہیں غموں کا کارخانہ ہے
نہ کوئی ہم سفر اپنا، نہ کوئی ہم زباں اپنا
بہت ہی کشمکش میں ہوں بھلا کیسا زمانہ ہے
توقع اٹھ گئی رسمِ وفاداری کی دنیا سے
بہت مشکل کسی سے اب یہاں پر دل لگانا ہے
سیاہی کی جگہ میں نے لہو اپنا نچوڑا ہے
جو مانو تو حقیقت ہے نہ مانو تو فسانہ ہے
غزل کی سادگی پر تم نہ جاؤ اے جہاں والو
تہوں میں لفظ کی انمول جیسے اک خزانہ ہے
زمانہ ہوگیا بچھڑے مگر اے شہنواز اب بھی
اسی کا ذکر ہونٹوں پر، اسی کا دل ٹھکانہ ہے

منیر ارمان نسیمی

ChhotaShankarpur
Bhadrak-756100(Odisha)

اس شہر میں اپنی کوئی پہچان نہیں ہے
دیوتا سبھی ہیں ایک بھی انسان نہیں ہے
اپنی لگام سونپ دی ہم نے انھیں کے ہاتھ
جن کو بھلے برے کی بھی پہچان نہیں ہے
ہر شخص نظر آتا ہے مغموم بہت ہی
دنیا میں کہو کون پریشان نہیں ہے
بہوؤں کو جلادیتے ہو تم اپنے گھروں میں
اس شہر میں کیا کوئی بھی شمشان نہیں ہے
رکھتا ہے خواہشوں کا پٹارہ ہر ایک شخص
وہ دل بتاؤ جس میں کہ ارمان نہیں ہے

عارف محمد عارفؔ

At:BadaShankarpur.Qureshi
Mohalla.Post:Bhadrak-756100

دیوار نہ چھت کوئی ہے بے در ہے مرا گھر
ان میں بھی کسی کے نہ برابر ہے مرا گھر
دریا میں مجھے پیار سے موجوں نے سنبھالا
ڈوبا ہوں وہیں آ کے جہاں پر مرا گھر ہے
اس شہر میں آباد کئی اور بھی گھر ہیں
طوفان کی فہرست میں اکثر مرا گھر ہے
لے آتے ہیں فریاد جہاں بھر کی اٹھا کے
جیسے کوئی سرکار کا دفتر مرا گھر ہے
ہر شام چمکتے ہیں مری چھت پہ ستارے
لگتا ہے کہ جیسے کوئی امبر ہے مرا گھر
عارفؔ ہے بنا تاج محل شاہِ جہاں کا
اس سے بھی سوا دیکھئے سندر ہے مرا گھر

جمل محسن (ایڈوکیٹ)

H.No:1-9-1053,PostalColony
Subedari.Warngal-506001(T.S)

چمن سے تم ہی نہیں پیار ہم بھی رکھتے ہیں
قلوب پیار سے سرشار ہم بھی رکھتے ہیں
زباں کی کاٹ سے توڑا نہ دل کسی کا کبھی
زباں کی پاکیٔ گفتار ہم بھی رکھتے ہیں
کسی بشر کو ضرر ان سے نہ کبھی پہنچا
اگر چہ مذہبی تہوار ہم بھی رکھتے ہیں
ذرا سا ترش ہے لہجہ ہمارا یوں تو مگر
"حدیثِ کاکل ورخسار ہم بھی رکھتے ہیں"
تمہاری ناؤ میں پوجا کے بادباں ہیں مگر
دعا سلام کے پتوار ہم بھی رکھتے ہیں
کسی کی ہم نہیں پگڑی اچھالتے محسنؔ
سروں پہ اپنے جو دستار ہم بھی رکھتے ہیں

عبدالحئی پیام انصاری

At/P.O:PaprauliBazar
Via:Khajni.Dt:Gorakhpur
U.P

سنا ہے تیری محفل میں ہماری بات ہوتی ہے
نشانہ تیرے تیروں کا ہی اپنی ذات ہوتی ہے
اگر ہوں خشک فصلیں تو گھٹا اُمڈی ہوئی آئے
ضرورت پر کہاں اب آج کل برسات ہوتی ہے
میں چادر دیکھ کر ہی پاؤں پھیلاتا ہوں دنیا میں
وہیں تک اڑتا ہوں جتنی مری اوقات ہوتی ہے
وہیں سے راہِ منزل کا پتہ چلتا ہے انساں کو
جہادِ زندگانی میں جہاں پر مات ہوتی ہے
بنا تیرے بھلا کس کام کی آسائشیں میری
بیاباں بھی چمن لگتا ہے جب تو ساتھ ہوتی ہے
مکانوں اور دکانوں میں کبھی لگتا نہیں تالا
عنانِ مملکت جب بھی ہمارے ہات ہوتی ہے
تری فرقت میں سورج اپنی کھو دیتا ہے تابانی
پیامؔ اب کیا بتائیں کتنی لمبی رات ہوتی ہے

ڈاکٹر علنی وبھا نازکی

Retd.AssociateProfessor
At/P.O:Bhuta.Himachalpardesh
Mob-9418304634

غزل ملی ہے ہمیں غم میں مسکرانے سے
قرار آتا گیا درد سہتے جانے سے
جو تہمتیں بھی لگا یے وہ مجھ پہ تو کیا ہے
کیا ہے یاد تو اس نے کسی بہانے سے
نہ پھینک عرش پہ تیرے ہی سر پہ آئے گی
ملے گا کیا تجھے اب خاک یوں اڑانے سے
یوں غرق ہو کے محبت میں اپنا حال رہا
نہ رو سکے، نہ کبھی ہنس سکے ٹھکانے سے
صلہ وفا کا ملا نازکیؔ جفا ہم کو
یہی امید تھی ہم کو بھی اس زمانے سے

پھول محمد نعمت رضوی

FaiziKitabGhar.MahsulChowk
Sitamarhi-843301(Bihar)

ہر ایک لمحہ ہے تیار دل دکھانے کو
کلیجہ چاہیے دنیا سے دل لگانے کو
کمندیں ڈالتے ہو چاند پر مگر سوچو
ترس رہے ہیں ابھی لوگ دانے دانے کو
بہا کے خون پسینہ اسے بنایا تھا
بچا نہ پایا میں بجلی سے آشیانے کو
وہ چھین لیتا ہے دل سے سکون کی دولت
بڑی ہی دشمنی مجھ سے ہے اس زمانے کو
ملی ہے ورثے میں تہذیب اپنے پرکھوں کی
بچا کے رکھا ہے میں نے بھی اس خزانے کو
جنھیں میں دوست سمجھتا ہوں اپنا اے نعمتؔ
وہ چاہتے ہیں مرا ظرف آزمانے کو

حافظ کرناٹکی

DarulHafeez.Jaynagar.1stCross
Shikaripur.Dist:Shimoga-577427

تجربہ میں یہ کرنا چاہتا ہوں
خود بگڑ کر سنورنا چاہتا ہوں
کاش اک سایہ دار پیڑ آئے
تھک گیا ہوں ٹھہرنا چاہتا ہوں
وقت کب میری دسترس میں ہے
وعدہ کرکے مکرنا چاہتا ہوں
روبرو میرے آئینہ رکھ دو
عکس سے بات کرنا چاہتا ہوں
مانتا ہوں کہ وہ زبر ہے مگر
میں اسے زیر کرنا چاہتا ہوں
شاخ سے ٹوٹ کر بھی میں حافظؔ
ایسا گل ہوں نکھرنا چاہتا ہوں

محب الرحمٰن وفاؔ

Yeoda.TQ:Daryapur
Dist:Amravati-444706(M.S)

وہ خود کو ریشمی کپڑوں سے اہلِ زر سمجھتے ہیں
سرابوں کی چمک کو جھیل کا منظر سمجھتے ہیں
مرے بچے بہل جاتے ہیں مٹی کے کھلونوں سے
غریبی کے تقاضے کیا ہیں وہ بہتر سمجھتے ہیں
چٹائی پر ہی میٹھی نیند سوجاتے ہیں محنت کش
اسے کمخواب کا آرام دہ بستر سمجھتے ہیں
ہم اپنے فکروفن سے اس میں گل بوٹے اگائیں گے
زمیں کچھ سخت ہے تو نا سمجھ بنجر سمجھتے ہیں
ادب کے آسماں پر ہے ستاروں تک پہنچ جن کی
انھیں منزل نہیں ہم میل کا پتھر سمجھتے ہیں
گویّوں اور نقالوں کی بن آئی ہے محفل میں
وفاؔ وہ شعر گوئی کو بھی لقمہ تر سمجھتے ہیں

حمید عکسی

H.No:14-6-39,Nizampura
MandiBazar.Warangal-506002(T.S)

اپنی پلکوں پہ جو سجے ہیں خواب
کیسے ہوں گے میرے پورے خواب
ایک پل میں جو ٹوٹ جاتا ہے
زندگی اپنی بے مثال حباب
دل میں رکھتا ہوں درد پوشیدہ
ہونٹ پہ رکھتا ہوں ہنسی کے گلاب
تو گناہوں سے اپنے توبہ کر
ورنہ محشر میں ہوگا تجھ پہ عذاب
میرے آقا میں تھا وہ حسن و جمال
جس کا دنیا میں ہے نہ کوئی جواب
یاد رکھو یہ بات عکسی تم
ہر عمل کا وہاں ہے دینا حساب

عظیم الدین عظیم

PlotNo:78/427,LotusGarden
Jadupur.Bhubaneswar-751019
Odisha

وقت کے ہاتھ سے زخم لگتے رہے
لمحہ لمحہ اِدھر ہم تڑپتے رہے
زندگی مشکلوں میں گزرتی رہی
پل میں جیتے رہے پل میں مرتے رہے
ایک لمحہ سکوں کا نہیں مل سکا
اپنی ہی آگ میں ہم سلگتے رہے
ایک بھی ان میں پورا نہیں ہو سکا
کتنے ارمان دل میں مچلتے رہے
راستہ اپنی منزل کا دشوار تھا
جس میں گرتے رہے اور سنبھلتے رہے
کوئی سایہ نہ تھا سر پہ اپنے عظیم
دھوپ کے دشت میں ہم اُلجھتے رہے

شمس الحق شمس (ایڈوکیٹ)

At Deopur.P.O:Biribati
Dist:Cuttack-754100(Odisha)

خشک صحرا سے چشمہ ابلنے کو ہے
تشنہ لب کا مقدر بدلنے کو ہے
بادلو! اس کو دے دو ذرا راستہ
تیر آہوں کا پل بھر میں چلنے کو ہے
اپنے جذبوں کو دی ہے حرارت ابھی
برف بے حس دلوں کی پگھلنے کو ہے
نامرادی کے سائے سرکنے لگے
کامرانی کا سورج نکلنے کو ہے
دے رہی ہیں پتہ وقت کی کروٹیں
زندگی اپنا چہرہ بدلنے کو ہے
شمسؔ طوفاں کا رخ موڑنا ہے ہمیں
حق کی آواز لب پر مچلنے کو ہے

شارق ریاض

A,PatwaParaLaneNo-9
Kolkata-700011(W,B)
Mob-9088561437

کہہ دوں یہ بات گر اجازت ہے
ہوگئی آپ سے محبت ہے
مجھ کو رکھتا ہے وہ نشانے پر
جانے کس بات کی عداوت ہے
کیوں نہ قربت خدا کی حاصل ہو
حمد کہنا بھی اک عبادت ہے
کیسے انصاف کوئی پایے گا
ظالموں کی یہاں حکومت ہے
اب تو رشتوں میں آگئی دوری
بھائی کو بھائی سے عداوت ہے
ہند میں جو فساد ہے برپا
اس کو حاصل کوئی حمایت ہے
کیوں نہ شارقؔ کو سب پسند کریں
اس کے لہجے میں وہ حلاوت ہے

ساغر ملارنوی

At/P.O:MalarnaDoongar
Dist:SawaiMadhopur
Rajasthan-322025

ایک سیلاب زدہ گاؤں کے حالات سے متاثر ہوکر

آدمی سے بھر گیا پانی
چشمِ تر اس کو کر گیا پانی
مانگا اللہ سے تھا ابرِ کرم
بن کے آفت اتر گیا پانی
ناگ سا چل رہا تھا بل کھا کے
کچھ اِدھر کچھ اُدھر گیا پانی
باڑھ کیا آئی گاؤں میں اس کے
سب مکانوں میں بھر گیا پانی
کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے
شکرِ رب کر اتر گیا پانی

سمیع احمد ثمر

C/oSaghirAnsari.At:Shree
Rampur.P.O:Mahammadpur
Dt:Saran-841223(Bihar)

سوا خدا کے کسی کا بھی ڈر نہیں رکھتے
جھکا کے اپنا کہیں پر بھی سر نہیں رکھتے
یقین کیجئے ہم تو اصول والے ہیں
پرائے دھن پہ کبھی بد نظر نہیں رکھتے
جو ہم نے سیکھا ہے دنیا کو وہ سکھاتے ہیں
چھپا کے اپنا کبھی ہم ہنر نہیں رکھتے
نہ جانے کب کوئی پتھر ادھر بھی آجایے
اسی خیال سے شیشے کا گھر نہیں رکھتے
وہ بدگمان ہویے ہیں کسی کے کہنے سے
ارادہ ترکِ وفا کا مگر نہیں رکھتے
وہ جو بھی کہتے ہیں منہ پر ہمیشہ کہتے ہیں
کبھی بھی شکوہ وہ دل میں ثمرؔ نہیں رکھتے

کتابوں کے شہر میں

(تبصرے کے لئے دو کاپیوں کا آنا ضروری ہے)

اگر اپنی کتابوں کا اشتہار بھی دیں تو تبصرہ ترجیحی بنیاد پر جلد شائع کیا جائے گا۔ایک صفحے کے اشتہار کی شرح ایک ہزار روپے ہے۔تبصرے کے لئے کافی کتابیں جمع ہو چکی ہیں۔ان پر تبصرہ ترتیب وار شائع ہوتا رہے گا۔(ادارہ)

کتاب کا نام۔گرد میں اٹے آئینے (مضامین)

مصنف۔پی پی سریواستوا رند

مرتب: ڈاکٹر عالیہ　　تبصرہ نگار۔عبدالمتین جامی

ادبی دنیا میں پی پی سریواستوا رند ایک معروف نام ہے۔رسائل وجرائد میں ان کی تخلیقات نظر سے گزرتی رہتی ہیں۔اس طرح شعری حلقوں میں انھیں منفرد شناخت حاصل ہے۔موصوف کے تقریباً ۱۲ مجموعے منظرِ عام پر آکر پذیرائی حاصل کر چکے ہیں اور مختلف اکاڈمیوں کی جانب سے ان کو انعامات واکرامات سے بھی نوازا جا چکا ہے۔شعری مجموعوں کے علاوہ ان کے مضامین کے تین مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ان مجموعوں کے مرتبین ہیں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی ڈاکٹر احمد علی جوہر اور ڈاکٹر عالیہ۔انعامات کے علاوہ انہیں امیر خسرو ایوارڈ، امتیازِ میر ایوارڈ، محمد علی جوہر ایوارڈ اور تہذیبِ غزل ایوارڈ وغیرہ سے بھی سرفراز کیا گیا ہے۔یوں تو ہر قلم کار کی یہ دلی خواہش رہتی ہے کہ اس کی زندگی میں ہی سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر اس کے فن کو تسلیم کیا جائے۔اگر ان انعامات کو ہی کسی کے شاعرانہ کمال کا معیار قرار دیا جائے تو یقیناً رند صاحب ایک خوش قسمت قلمکار کہلانے کے مستحق ہیں۔

فنِ نثر نگاری پر بھی ان کو بے پناہ دسترس حاصل ہے۔کتابِ ھٰذا میں شامل ان کے مضامین ''لالہ مادھو رام جوہر، پنڈت میلا رام وفا، جگر بریلوی بانی' ڈاکٹر زار علامی، کرشن بہاری نور، مظفر حنفی، ملک زادہ منظور احمد، اظہر عنایتی، شارق عدیل' تابش مہدی اور مشہور رباعی گو شاعر طہور منظوری نگاہ جیسے شعراء وشار کے شعر وادب کے تعلق سے ادبی وتنقیدی محاکمہ رند صاحب کی تنقیدی اور تحقیقی جہات کا واضح ثبوت پیش کرتا ہے۔

ڈاکٹر عالیہ نے اس کتاب کو ترتیب دینے میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔پیش لفظ خود مرتب نے لکھا ہے۔مضمون کے اخیر میں لکھے گئے چند جملے سے ڈاکٹر عالیہ کا نقطۂ نظر صاف ہو جاتا ہے۔لکھا ہے کہ رند صاحب کے مزاج میں وہ قلندری اور استغنا بھی ہے جو ہماری سنجیدہ شاعری کے مزاج میں ہوتا ہے۔یہ مضامین مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہو چکے تھے۔انہوں نے بخوشی ان کو مرتب اور شائع کرنے کی اجازت دی۔عالیہ صاحبہ کو اس کی ترتیب دینے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔پروفیسر خالد علوی صاحب نے بھی ایک طویل مضمون لکھ کر رند شناسی کے باب میں مؤثر کردار ادا کیا ہے۔

بہرکیف راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے قارئین کو خوشی ہوگی، کیونکہ اردو کشی کے اس دور میں ایک غیر اردو خاندان سے تعلق رکھنے والے سریواستو رند صاحب اپنی شعری وادبی تخلیقات سے اردو کے ذخیرے میں اضافہ کرتے آرہے ہیں۔تقریباً نوّے سال کی عمر میں بھی شاعری نیز نثر نگاری سے اپنے قلم کا جادو جگانے میں تن من دھن سے جٹے ہوئے ہیں۔تبصرہ کے مختص مختصر ترین صفحات میں موصوف کی کارکردگی کو اجاگر کرنا آسان نہیں ہے۔خدا ان کو اور بھی طویل حیات بخشے۔مجھے امید ہے کہ قارئین اس کتاب کے مطالعہ سے رند صاحب کی قدر وقیمت کا تعین کر پائیں گے۔کتاب کی قیمت ہے صرف تین سو روپے اور اسے درج ذیل پتے سے حاصل کر سکتے ہیں۔

پی. پی سری واستو رند۔ R16 Sector-XI.Noida-201301(U.P)

کتاب کا نام۔اردو کے چند نمائندہ طنز ومزاح نگار

مصنف۔ڈاکٹر رفیق احمد۔تبصرہ نگار۔عبدالمتین جامی

ڈاکٹر رفیق احمد صاحب کا نام بحیثیت محقق اور نثر نگار برصغیر میں بہت جانا پہچانا ہے۔قبل ازیں ان کی کتاب ''اردو ادب کا معروضی مطالعہ'' ۲۰۱۶ء میں منظرِ عام پر آکر موضوعِ بحث بنی ہوئی ہے۔اس کے علاوہ ایک تحقیقی مقالہ طباعت کے مراحل سے گزرنیکے لئے تیار ہے، جس کا نام ہے ''فکر تونسوی کی ادبی و صحافتی خدمات''۔مزید تین کتابیں ''فضا ابنِ فیضی حیات اور شاعری اور انتخاب کلام فضا ابنِ فیضی کی ترتیب دے چکے ہیں اور ایک تصنیف ''تعلیمی نظام کے مختلف مراحل'' زیرِ طبع ہے۔

ظاہر ہے اردو ادب کے ایک ایسے زیرک شہہ سوار کی موجودہ کتاب پر تبصرہ لکھتے وقت میں ذرا فکرمند ہو گیا ہوں۔ڈاکٹر رفیق احمد صاحب نے اپنی اس کتاب پر کسی سے پیش لفظ نہیں لکھوا کر خود ہی بطور تبرّک ابتدائیہ ''اردو ادب میں طنز ومزاح نگاری کی روایت'' کے نام سے ایک بھرپور مضمون شاملِ اشاعت کیا ہے۔جس میں انہوں نے ''طنز ومزاح انگریزی ادب میں، فارسی ادب میں طنز ومزاح' اردو شعر وادب میں طنز ومزاح اور اردو نثر میں طنز ومزاح کی روایت'' کے عنوانات سے ایک طویل مضمون شامل اشاعت ہے۔موصوف نے اس کے بعد اردو ادب کے چند

مشہور مزاح نگاروں کی تخلیقات پر خامہ فرسائی کی ہے۔جن میں ابنِ انشاء،احمد جمال پاشا،خوشتر گرامی ،دلیپ سنگھ رام لعل نابھوی ،ڈاکٹر شفیق الرحمٰن ،غلام احمد فرقت کاکوروی ،فکر تونسوی ،کنہیا لال کپور ،مجتبیٰ حسین ،مشتاق احمد یوسفی ،وجاہت علی سندیلوی اور یوسف ناظم وغیرہم کی طنز نگاری پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔۔اندازِ تحریر کافی شگفتہ اور سلیس ہے۔جس سے ان کے زورِ قلم کا اندازہ ہوتا ہے۔موصوف نے مندرجہ بالا سطور پر بیان کئے گئے مزاح نگاروں پر لکھنے کے لئے کوئی اسّی کتابوں سے استفادہ کیا۔ظاہر ہے ان تمام کتابوں کو کھنگالنے کے لئے انہیں کافی محنت کرنی پڑی ہوگی ۔مگر ناچیز کو اس بات پر افسوس ہوا کہ اڈیشا کے مشہور مزاح نگار شاعر اڈیشا اردو اکاڈمی کے سابق سکریٹری اسماعیل آذر مرحوم کا ذرا سا بھی تذکرہ کر دیتے تو ہمیں مسرت ہوتی ہے۔مرحوم اسماعیل آذر نے لال قلعہ کے مشاعرے میں اپنے کلام سے دھوم مچا دی تھی ۔ان کے مزاحیہ کلام کا ایک مجموعہ بنام ''کیا مذاق ہے '' شائع ہو کر کافی پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔بہر کیف کتاب ھٰذا قابلِ مطالعہ ہے ۔مجھے امید ہے کہ یہ کتاب قارئین کے ذوقِ سلیم کے عین مطابق ہوگی ۔۱۷۶ صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ہے ۱۱۶ روپئے اور مصنف کا پتہ ہے۔ڈومن پورہ ویسٹ۔مؤناتھ بھنجن۔275101 (یوپی)

کتاب کا نام:۔راحتوں کا سبز موسم (شعری مجموعہ)
شاعر:۔ارشد قمر مبصر:۔عبدالمتین جامی

ایجوکیشنل پبلی کیشن ہاؤس نئی دہلی سے شائع شدہ کتاب عمدہ کتابت وطباعت نیز دبیز کاغذ اور بائینڈنگ کے لحاظ سے خوبصورت اور دیدہ زیب ہے۔ ایک حمد اور ایک نعت نے اس کی پاکیزگی میں اضافہ کیا ہے ۔ارشد قمر نادم بلخی صاحب کے تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں ۔لیکن اس کتاب کو خوبصورت اور بے عیب بنانے میں منیر سیفی اور ایڈیٹر ادبی محاذ جناب سعید رحمانی صاحب کا بڑا حصہ ہے۔اس کا علم ارشد قمر صاحب کی بات سے ہوتا ہے۔سعید رحمانی صاحب کا پیش لفظ شاعر ارشد قمر کے مطمحِ نظر نیز ان کی شاعری کی تفہیم میں معاون ہے۔موصوف کا کہنا ہے کہ ارشد قمر کی شاعری فکری طہارت اور اصلاحی جذبوں سے مملو ہے۔وہ لفظوں کے دروبست میں محتاط نظر آتے ہیں ۔ان کی شاعری میں بے ساختگی کے ساتھ لہجے کی شگفتگی اور خوش گفتاری انجذاب توجہ کا مرکز بنتی ہے ۔علاوہ ازیں وہ اپنے مافی الضمیر کی ترسیل میں بھی سرخرو گزرے ہیں۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

بھیڑیئے کی زد میں کب سے ہے قمر انسانیت
غم کے نرغے میں ہماری ہر خوشی خاموش ہے

حالاتِ حاضرہ کی اس خوبصورت عکاسی کے بعد دل کو چھو دینے والا ایک شعر ملاحظہ فرمایئے جو کہ غمِ جاں سے غمِ دوراں تک کو محیط ہے۔

رنج والم چھپانے کی تدبیر کی بہت
چپکے سے آنسو آنکھ کے پیالوں میں آ گئے

ارشد قمر صاحب کا یہ پہلا مجموعہ کلام شائع ہونے سے قبل کئی اساتذۂ فن کی نظر سے گزرا ہے ۔اس لئے ممکنہ حد تک عیوب سے پاک و صاف ہے۔اساتذہ نے اسے اپنی نوکِ قلم سے خوب سنوارا ہے۔اپنے جذبات وخیالات کو شعری لباس عطا کرنے میں انھوں نے بڑی سلیقہ مندی سے کام لیا ہے۔امید ہے کہ آگے چل کر وہ اور بھی ترقی کریں گے یہی میری دعا بھی ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ قارئین اس کتاب کے مطالعہ سے مایوس نہیں ہوں گے۔ صرف ۱۴۴ صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ۳۰۰ روپے بہت زیادہ لگتی ہے۔کتاب حاصل کرنے کے لیے پتہ ہے۔لال کوٹھاروڈ۔مسلم نگر۔ڈالٹن گنج۔پلاموں۔(جھارکھنڈ)

کتاب کا نام:۔شعر آرائی (شعری مجموعہ)
شاعر:۔ڈاکٹر نلنی وبھا نازلی مبصر:۔عبدالمتین جامی

ڈاکٹر نلنی وبھا نازلی کا یہ خوبصورت مجموعۂ کلام بیک وقت اردو اور ہندی رسم الخط میں پیش کیا گیا ہے۔صرف کور پیج میں منگل تسنیم صاحب کی ایک مختصر رائے کے سوا نہ تو کسی کا بھاری بھرکم پیش لفظ شامل ہے اور نہ ہی ان کو حاصل شدہ انعامات کی فہرست ہے۔موصوفہ نے سنگیت کے شعبے میں تحقیقی کام کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔بہر حال ان کے کلام میں روایتی انداز کے الفاظ نیز خیالات پر مبنی شاعری جدید تقاضوں سے بھی آشنا لگتی ہے۔شاعری کا رچا بسا ذوق پایا ہے۔جناب منگل تسنیم کے بموجب موصوفہ شاعری کی تقریباً تمام تر اصناف پر عبور رکھتی ہیں۔ غزل ان کی محبوب ترین صنف ہے۔چنانچہ یہ کہنے میں باک نہیں کہ عصرِ حاضر کے شعری منظر نامہ میں موصوفہ کو منفرد شناخت حاصل ہے۔روایت کے ساتھ ساتھ عہدِ حاضر کے سلگتے مسائل کی بازگشت بھی ان کی شاعری میں سنی جاسکتی ہے۔۔چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

یوں پھیلی جھوٹی افواہیں کہ جیسے آگ جنگل کی
ذرا سی بات کا لوگوں نے افسانہ بنا ڈالا
ہمیں جب دیکھیے ،اشعار ان کے گنگناتے ہیں
ہمیں تو شاعری نے ان کا دیوانہ بنا ڈالا

ان کی شاعری ایک ایسا آئینہ ہے جس میں زندگی کے گوناگوں مسائل عکس ریز ہیں۔یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اب وہ بستی نہ رہی ،گھر نہ رہا ،کچھ نہ رہا
نازلی وقت ہر اک خواب جلا جاتا ہے
نیا پیرہن ہے حیات کا ،ہے خدا کا ایسا نظام جو

کبھی یاں چراغ بجھا گیا کبھی واں چراغ جلا گیا

الفاظ کے دروبست سے اس بات کا اندازہ لگ ہی جاتا ہے کہ انہوں نے روایتی شاعری کا مطالعہ خوب کیا ہے۔شاید اسی لیے ان کے مافی الضمیر میں پوشیدہ الفاظ رہ رہ کر سامنے آجاتے ہیں۔''یاں'' اور''واں'' جیسے الفاظ اس بات کی دلیل ہیں۔بہر حال تبصرہ کے تنگ دائرے میں ان کے کلام کے تمام حسن وکمال نیز کمی بیشی پر روشنی ڈالنا ناممکن ہے۔امید ہے کہ ہمارے قارئین اردو کی اس غیر مسلم شاعرہ کے کلام سے لطف اندوز ضرور ہوں گے۔کتاب کی قیمت کچھ زیادہ لگتی ہے۔اس لیے قوتِ خرید مانع ہونے کا امکان ہے۔بہر حال اس کی قیمت ہے ۲۶۰ روپے اور ملنے کا پتہ ہے: امرت پرکاشن۔شاہدرہ۔دہلی۔۱۱۰۰۳۲ موبائل نمبر۔۹۹۶۸۰۶۰۷۳۳

کتاب کا نام:۔سعادت حسن منٹو کے افسانوں میں سماجی اور نفسیاتی حقائق (تحقیق)

مصنف:۔ایس اشرف الدین

مرتب:۔عرشی جمال، سمین اشرف احمد مبصر: سعید رحمانی

سعادت حسن منٹو فکشن کی دنیا میں ایک متنازعہ شخصیت کے بطور معروف ہیں۔کسی نے انہیں فحش نگار کہا تو کسی نے انہیں حقیقت نگار تسلیم کیا۔بولڈ افسانوں کے لئے ان کی شخصیت ہمیشہ موضوعِ بحث بنی رہے گی۔تاہم اس بات پر سبھی متفق ہیں کہ سعادت حسن منٹو ایک عظیم افسانہ نگار تھے جن کی عظمت کا اعتراف کرنے والوں میں سید محمد حسن، کرشن چندر، سید وقار عظیم، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، سید احتشام حسین، محمد حسن عسکری، قرۃ العین حیدر، علی عباس حسینی، ابراہیم جلیس، سید ابوالخیر کشفی، ممتاز مفتی، شورش کاشمیری، حامد جلال وغیرہ جیسے جید افسانہ نگار شامل ہیں اور انھوں نے بڑے واشگاف انداز میں منٹو کی تعریف کی ہے۔

یہ کتاب چار ابواب میں منقسم ہے جن کے تحت منٹو کا تعارف' اردو افسانے کا سفر' اردو افسانوں میں نفسیاتی حقائق اور سعادت حسن منٹو کے افسانوں میں نفسیاتی حقائق پر بسیط سے روشنی ڈالی گئی ہے۔آخر میں حوالہ جات کی فہرست ہے جن سے مصنف نے استفادہ کیا ہے۔مذکورہ ابواب کے مطالعہ سے منٹو کی شخصیت' طرزِ نگارش اور نقطۂ نظر سے آشنائی ہوتی ہے۔چونکہ ان کے افسانوں کا موضوع انسانی نفسیات رہا ہے اس لئے کچھ لوگ انہیں فحش نگار کہنے لگے۔ان کے کچھ افسانوں مثلاً ٹھنڈا گوشت، کالی شلوار، دھواں اور بو کی اشاعت پر انہیں مقدموں کا سامنا بھی کرنا پڑا تھا۔ان ہی مقدموں کے سبب منٹو ذہنی پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔انھیں جیل بھی جانا پڑا تھا۔اس کے باوجود انھیں نے اپنا انداز نہیں بدلا بلکہ اور بھی بیبا کی سے نفسیاتی افسانے لکھنے لگے تھے۔

منٹو کی نفسیاتی تحریر اور فحش نگاری اپنی جگہ، مگر اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے اپنے افسانوں کے ذریعہ معاشرے کے منفی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ان کا ہر افسانہ شروع سے آخر تک قاری کو اس طرح نفسیاتی آگہی عطا کرتا ہے کہ وہ متاثر بھی ہوتا ہے اور محظوظ بھی۔اور یہی بات منٹو کی فنی کامیابی کی دلیل ہے۔

مرحوم ایس شرف الدین کے صاحب زادے عرشی جمال اور صاحبزادی سمین اشرف احمد لائقِ مبارک باد ہیں کہ انہوں نے اپنے والد مرحوم کے اس گرانقدر تحقیقی کارنامے کو زیورِ طبع سے آراستہ کر کے خزاں برد ہونے سے بچا لیا ہے۔خوبصورت ڈسٹ کوور اور دبیز کاغذ پر چھپی اس کتاب کی قیمت ہے تین سو روپے جسے درج ذیل پتوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے:۔(۱) بک امپوریم۔سبزی باغ۔پٹنہ۔۴ (۲) سمین اشرف احمد۔پٹنہ۔۴۔موبائل نمبر ہے۔۹۷۱۵۴۳۴۸۰۸

کتاب کا نام: کچھ محفلِ خوباں کی (شعری مجموعہ)

شاعر؛ ڈاکٹر منصور خوشتر مبصر؛ عبدالمتین جامی

اکیسویں صدی کی شروعات میں جن نوجوان شعراء نے اپنی شب وروز کی محنت اور ذہانت سے اردو دنیا کو چونکانے میں کامیابی حاصل کی ان میں ڈاکٹر منصور خوشتر کا نام بڑے احترام سے لیا جاتا ہے۔کاروباری مصروفیات کے باجود شعر وادب کا رچا بسا ذوق رکھتے ہیں۔کپڑوں کا ایک شوروم بھی ان کی نگرانی میں چل رہا ہے اور اس کے ساتھ شعر وشاعری کا سلسلہ بھی جاری ہے۔اب تک جو شعری اثاثہ جمع ہو چکا تھا اسے یکجا کر کے'' کچھ محفلِ خوباں کی''صورت میں اپنا اولین مجموعہ لے کر ہمارے سامنے آئے ہیں۔

ملک کے معروف رسائل وجرائد میں ان کی تخلیقات اکثر وبیشتر شائع ہوتی رہتی ہیں جس کی بنا پر ادبی دنیا میں انھیں منفرد شناخت حاصل ہے۔اس کتاب کے بیک پیج میں ڈاکٹر شارب ردولوی کے تاثرات اور کتاب کی ابتدا میں چند مشہور ادباء کے مضامین منصور خوشتر کے شعری جہات کی تفہیم میں معاون ہیں۔موصوف کی تخلیقات پر ڈاکٹر سید احمد قادری، پروفیسر طرزی، ڈاکٹر جمال اویسی، مناظر عاشق ہرگانوی، عطا عابدی' سلیم انصاری اور احسان ثاقب نے اپنے گراں قدر مضامین سے موصوف کی شاعری کو اعتبار بخشا ہے۔تقریباً ۸۶ غزلیں اس میں شامل ہیں۔

ان مضمون نگاروں نے ان کے کلام کی مختلف جہتوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کے تابناک ادبی مستقبل کی پیش قیاسی کی ہے۔عطا عابدی نے ان کی شاعری کو قابلِ توجہ اور فکر انگیز کہا ہے۔مناظر عاشق ہرگانوی صاحب نے اپنے مضمون میں ایک پتے کی بات کہی ہے کہ ۱۹۸۰ء کی ادبی نسل نے جس شعوری وارفتگی کو داخلِ غزل کیا تھا اس کی توسیع ہوتی دکھائی دے رہی ہے گرچہ ایک خسارے کے ساتھ۔غزل کے فن کی جستجو محفوظ رکھنا ضروری ہے۔اب اس کی پاس داری نئے لوگ کرتے دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔غزلوں میں اب صرف مسائل کا بیان ہو رہا

ہے۔ظاہر ہے صرف مسائل کا بیان ہی شاعری نہیں ہے جس سے کہ صرف منفی رجحانات کوفروغ ملتا ہے۔

بہر کیف ناچیز کا خیال ہے کہ ڈاکٹر منصور خوشتر اگر اپنی شاعری میں درآئی کچھ خامیوں کی جانب توجہ دیں تو بے شک ایک بڑے شاعر ہونے کا رتبہ حاصل کر لیں گے میں ان کے ایک شعر کی جانب اشارہ کر رہا ہوں جس میں لفظ کی شکست وریخت صاف محسوس کی جاتی ہے۔ایک لفظ کے غلط استعمال سے ان کے شعر کا پہلا مصرع ہی خارج از وزن ہو گیا ہے۔

کیوں مجھ سے 'زیادہ' کرتے ہیں دشمن کا اعتبار
پوچھوں گا ایک روز میں ایسا جناب سے

لفظ ''زیادہ'' بروزن فعولن ہوتا ہے لیکن یہاں فعلن ہو گیا ہے جو کہ غلط ہے۔لیکن اس میں شک نہیں کہ ان کا یہ پہلا مجموعہ ہی ان کی شعری بصیرت اور فنِ شعر سازی کی صلاحیتوں کا آئینہ دار ہے۔مستقبل میں ان سے مزید بہتری کی توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں۔۱۱۲صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ہے صرف دوسو روپئے اور ملنے کا پتہ ہے:(۱)سہہ ماہی دربھنگہ ٹائمس۔شوکت علی ہاؤس۔محلّہ پرانی منصفی۔دربھنگہ۔۴(۲)ناولٹی بکس۔قلعہ گھاٹ۔۔دربھنگہ۔۴ (بہار)

کتاب کا نام؛۔حرفِ نور (مضامین)
مصنف؛۔شارق عدیل تبصرہ نگار؛عبدالمتین جامی

شارق عدیل ایک ایسے شاعر و قلم کار ہیں جو گزشتہ تین دہائیوں سے گیسوئے اردو کو سنوارنے میں مصروف ہیں۔ان کی کئی کتابیں زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں جن میں کرب زار،آہٹ،زاویۂ نگاہ فصیل اور قشقہ اور اخیر میں زیرِ تبصرہ کتاب ''حرفِ نور'' قابلِ ذکر ہیں۔ان کے مضامین گزشتہ تین دہائیوں سے ہندوستان کے متعدد رسائل وجرائد میں تسلسل سے شائع ہوتے آرہے ہیں۔اس کے علاوہ خود ان کے فکر وفن پر بھی متعدد مضامین لکھے جا چکے ہیں۔اس لحاظ سے شارق عدیل صاحب کا شمار موجودہ عہد کے نام ور ادیب' شاعر اور تنقید نگار کی حیثیت سے کیا جاتا ہے ۔

زیرِ تبصرہ کتاب ''حرفِ نور'' میں بابِ اول کے تحت عصرِ حاضر کے نعت گو شعرا کے نعتیہ مجموعوں کے حوالے سے مضامین پیش کئے گئے ہیں۔ان مضامین میں ہر شاعر کا مختصر تعارف اور نمونۂ کلام شامل ہے جس کے مطالعہ سے ان شاعروں کے کمالِ فن کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔خوشی کی بات ہے کہ عہدِ حاضر میں صنفِ نعت پر کثرت سے طبع آزمائی ہونے لگی ہے۔اس کے علاوہ اس کی ہئیت میں بھی تجربے کیے جارہے ہیں غزل کے فارم کے علاوہ ثلاثی اور رباعی کی ہئیت میں بھی نعت کہنے کا سلسلہ جاری ہے۔ساتھ ہی دوہے،قطعات،اور دوبیتیوں میں بھی عمدہ نعوت لکھی جارہی ہیں۔یہاں تک کہ آزاد نظم،ہائکو،ماہیے کے فارم میں بھی میں تقدیسی شاعری کو سمونے کی کوشش کی جارہی ہے۔شارق عدیل نے خود بھی کئی ہئیتوں میں تقدیسی شاعری کی ہے۔

اس کتاب میں جن شعراء کی نعتیہ شاعری پر مضامین شامل ہیں ان میں پہلا مضمون ہے ''میر وغالب کی شعری زمینوں کو نعت کا نور عطا کرنے والے شاعر (حضرت نور)''۔حضرت نور کا شعری مجموعہ ''ثنا کی نکہتیں'' بقول شارق عدیل،ان کے (حضرت نور) فنی کمال کا منھ بولتا ثبوت ہے غالب کی زمینوں میں تخلیق کردہ نور صاحب کی نعوت سماں پیدا کرنے میں کامیاب ہیں۔اسی طرح میر تقی میر کی زمینوں میں بھی ان کی نعتوں کا پتہ چلتا ہے۔

دوسرا مضمون سید محمد مجیب الحسن عزیزی نوابی کا مجموعہ ''بامِ ایجاب'' پر مشتمل ہے۔اسی طرح پاکستان کی شاعرہ شائلہ صدف کی نعتیہ شاعری کے علاوہ قاری اخلاق احمد صاحب کا اولین شعری مجموعہ ''محبتوں کے چراغ'' نوابیہ عزیزیہ سلسلہ کے چند شعراء کا نعتیہ انتخاب دبستانِ نوابیہ عزیزیہ پبلی کیشن کے تحت شائع کیا گیا ہے۔

باب دوم میں موصوف نے خود اپنی نعتیہ شاعری کے علاوہ ۱۳مزید نعتیہ مجموعوں پر خامہ فرسائی کی ہے۔صرف نعوت پر مشتمل یہ تذکراتی مضامین قابلِ مطالعہ ہیں۔کتابت وطباعت عمدہ ہیں۔حالاں کہ اس کتاب میں شامل تمام مضامین شارق عدیل کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں،لیکن انہوں نے خود کو مرتب کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

اس مہنگائی کے دور میں اتنی حسین کتاب شائع کر کے قیمت کی جگہ صرف نذرانۂ درود کی امید کرنے والا قلم کار شارق عدیل ہی ہو سکتا ہے۔خدا ان کو مکمل صحت عطا کرے تا کہ اسی طرح اردو کی بے لوث خدمات انجام دیتے رہیں۔''آمین''

کتاب حاصل کرنے کا پتہ ہے؛شارق عدیل۔مارہرہ۔ضلع: ایٹہ۔(یو.پی)

کتاب کا نام؛کسوٹی (مضامین)
مصنف؛عبدالحئی پیام انصاری مبصر:سعید رحمانی

اردو کے عصری منظر نامے میں عبدالحئی پیام انصاری صاحب کی ہمہ جہت شخصیت اظہر من الشّمس ہے۔بنیادی طور پر وہ غزل کے شاعر ہیں۔۱۹۷۸ء سے شعری سفر جاری ہے۔اس دوران ان کے پانچ شعری مجموعے منظرِ عام پر آکر اہلِ ادب سے پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔ان مجموعوں کے نام ہیں شعورِ تخیل،شعورِ احساس،تازہ ہوا،دوائے دل اور دل کی کیاری۔

شعری صلاحیتوں کے اعتراف میں انہیں اتر پردیش اور بہار اردو اکاڈمیوں سے بالترتیب پانچ ہزار اور دس ہزار روپے کے انعامات مل چکے ہیں۔اس کے علاوہ قومی کونسل برائے فروغِ اردو دہلی نے ان کی دو کتابوں کی تھوک خریداری کے عوض انہیں بالترتیب دس ہزار اور اٹھارہ ہزار روپے عطا کیے ہیں۔کچھ دیگر ادبی اداروں نے انہیں شبنم گورکھپوری ایوارڈ اور مرزا غالب قلم ایوارڈ سے بھی سرفراز کیا ہے۔

بہر حال وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں تنقیدی اور تحقیقی شعور بھی بیدار ہونے لگا جس کے نتیجے میں زیرِ نظر کتاب ''کسوٹی'' زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر اہلِ ادب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔اس کتاب میں کل ۳۱ مضامین شامل ہیں۔ عہدِ حاضر کے قلم کاروں کی تخلیقات کا محاسبہ ان مضامین میں بڑے سلیقے سے کیا گیاہے۔مثالاً چند قلم کاروں کے نام پیش ہیں ''اقبال انجم،امجد نجمی،بدر محمدی،سلام سندیلوی،شبنم گورکھپوری،ڈاکٹر ایم نسیم اعظمی،ڈاکٹر کلیم قیصر،سید نفیس دسنوی،ڈاکٹر کرامت علی کرامت،رؤف خیر اور مختار احمد کوثر وغیرہ وغیرہ۔ان مضامین کے مطالعہ سے موصوف کی ژرف نگاہی کا پتہ چلتا ہے۔انہوں نے مذکورہ تخلیقات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ہی نپے تلے انداز میں اپنی رائے پیش کی ہے۔ذہنی تحفظ سے بالاتر ہوکر انہوں نے ہر جگہ میانہ روی سے کام لیا ہے خواہ وہ محاسن کا پہلو ہو یا معائب کا۔

بقول نصرت عتیق گورکھپوری ''یہ نثری کارنامہ بڑی رنگا رنگی کی حیثیت رکھتا ہے اس کے باوجود پیام صاحب نے سب کے سلسلے میں اعتدال سے کام لیا ہے اور اسے بھرپور بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے''۔

ڈاکٹر اشفاق احمد رقمطراز ہیں ''تمام مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ عبدالحئی پیام نے صرف تبصرہ یا تاثر پر قناعت نہیں کیا بلکہ ان کے شخصی خاکوں کے ساتھ سوانح بھی مرتب کردی ہے۔جانب داری اور چاپلوسی سے دامن بچا کر نکلنے کی کوشش مضامین میں جا بجا نظر آتی ہے۔

مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ ''کسوٹی'' ایک ایسی پیش کش ہے جو نہ صرف مصنف کی تنقیدی بصیرت کی آئینہ دار ہے بلکہ زبان و بیان پر بھی ان کی گرفت سے آشنا کراتی ہے۔خوبصورت ڈسٹ کور اور دبیز کاغذ کے ساتھ اس مجلد کتاب کی قیمت ہے۲۵۰ روپے اور مصنف کا پتہ ہے:۔عبدالحئی پیام انصاری۔مقام و پوسٹ۔پپر ولی بازار۔کھجنی۔ضلع گورکھپور۔۲۷۳۲۰۲

کتاب کا نام:لہو کا سفر (شعری مجموعہ)

شاعر:وفا سکندر پوری مبصر:سعید رحمانی

وفا سکندر پوری گزشتہ صدی کی چھٹی دہائی سے شعری منظر نامہ میں اپنے فکر و فن کا ثبوت فراہم کرتے آرہے ہیں۔زیرِ نظر مجموعہ ان کی اولین پیش کش ہے جس میں صرف غزلیں ہی غزلیں ہیں۔اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ غزل ہی ان کی محبوب صنفِ سخن ہے۔۲۱۶ صفحات کو محیط اس مجموعے میں تقریباً ۱۹۱ غزلیں شامل ہیں۔یہ غزلیں اس بات کی مظہر ہیں کہ وفا صاحب کو روایت کی پاسداری عزیز ہے مگر ساتھ ہی عصری حسیت بھی ان میں پائی جاتی ہے۔ان غزلوں میں اگر جمالیات کی شبنمی ٹھنڈک بھی ہے تو حالات کے تپتے ہوئے صحرا کی تمازت بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔ان کی شاعری کے تعلق سے منصور عثمانی فرماتے ہیں:''وفا صاحب کی شاعری دراصل ہماری روایت کے اس باوقار امین کی فکری وفنی ریاضت کا وہ شاندار منظر نامہ ہے جس میں ہماری غزلوں کی صدیوں پرانی داستان کے ساتھ نئے دور کے تقاضے بھی صاف نظر آتے ہیں''۔

ان کے شاگردِ رشید میش کنول رقمطراز ہیں:''وفا سکندر پوری کی غزلوں میں یوں تو اردو غزلوں کا روایتی رنگ ملتا ہے لیکن انھوں نے اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق کچھ پرانے رنگوں کو خارج کیا ہے اور موجود دور کے کچھ خاص رنگوں کو شامل کیا ہے۔دوسرے لفظوں میں کہہ سکتے ہیں کہ تغزل میں نئے تجربات نہ کرنے کے باوجود ایک معیار پیش کیا ہے''

جمالیات اور عصری حسیت پر مبنی ان کے چند اشعار مثالاً پیشِ خدمت ہیں:

نقاب رخ سے ہٹا رہے ہو۔ہماری وحشت بڑھا رہے ہو
اسیرِ دام ہوتا جا رہا ہوں۔تمہارے نام ہوتا جا رہا ہوں
پگھل چکا ہوں ترے نفس کی حرارت سے
کسی نفس ترے قالب میں ڈھل بھی سکتا ہوں

اور جب وہ جمالیات کے شبنمی ماحول سے نکل کر اپنے اردگرد نظر ڈالتے ہیں تو انھیں تپتے ہوئے صحرا کی تمازت کا احساس ہوتا ہے اور اس طرح کے اشعار ان کی نوکِ قلم سے صفحۂ قرطاس پر ڈھلنے لگتے ہیں:

جینے والے نظر تو آتے ہیں۔زندگی اب نظر نہیں آتی
یہ خطہ تو کربل کا خطہ تو نہیں۔خون یہاں بھی سستا مہنگا پانی ہے
لگے گی آگ تو تو بھی جلے گا۔یہاں میں ہی نہیں تو بھی یہیں ہے
کرائے کے ہیں تخت و تاج جن کے۔وہی ہم پر حکومت کر رہے ہیں
عہدِ نو کی ہوا جب بھی داخل ہوئی۔کچھ نہ کچھ میرے گھر سے اڑا لے گئی

الغرض کہا جاسکتا ہے کہ ان کی شاعری میں تنوع بھی ہے اور داخلیت سے خارجیت کی طرف سفر کرتے ہوئے عصرِ حاضر کا اشاریہ بن گئی ہے۔زبان میں سلاست و شگفتگی کے ساتھ ساتھ دور از کار علائم و رموز سے گریز کرتے ہوئے انھوں نے اپنی غزلوں کو شگفتگی و شائستگی عطا کی ہے۔اس کے علاوہ سیاحتِ فکر کے دوران منظروں کے بیش بہا موتی جمع کیے ہیں اور انھیں الفاظ کا پیکر عطا کرکے ہنرمندی کا ثبوت دیا ہے۔مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ یہ مجموعہ شاعر کی بالیدہ فکری اور شعری بصیرت کا آئینہ دار ہے۔امید کی جاسکتی ہے اہلِ ادب اس کی پذیرائی خوشدلی سے کریں گے۔اس کی قیمت ہے ۱۵۰ روپے اور شاعر کا پتہ ہے:۔وفا سکندر پوری۔بلاک نمبر 3H مکان نمبر۔29۔ڈاکخانہ کانکی نارہ۔مغربی بنگال)موبائل۔80135330181

☆☆☆

طرحی مشاعرہ

مصرعِ طرح ''منزل تو بہت دور ہے پر دھوپ کڑی ہے'' پر غزلیں پیش ہیں۔ اگلے شمارے کے لیے طرح نوٹ فرمائیں: ''میں ایک شخص کو اپنے پہ مہرباں دیکھوں'' (شاعرہ۔ صہبا وحید) قوافی: مہرباں، جہاں، نشاں وغیرہ، ردیف: دیکھوں پانچ اشعار پر مشتمل آپ کی طرحی غزل ۲۵؍دسمبر ۲۰۲۱ء کے اندر ہمیں مل جانی چاہیے۔ رسالہ اگر تاخیر سے ملے تو وصول یابی کے ایک ہفتے کے اندر ارسال کر سکتے ہیں۔ (ادارہ)

عبدالمجید فیضی (سمبلپور) Mob-9778291038

اللہ کی جانب سے جو سوغات بڑی ہے — اللہ کی کتاب سرِ طاق پڑی ہے
یہ جذبۂ مردانہ مرا ہوگا ظفر یاب — ''منزل تو بہت دور ہے پر دھوپ کڑی ہے''
ہوتے ہیں بپا طنز و تمسخر سے بھی فتنے — چھوٹی نہ اسے سمجھئے یہ بات بڑی ہے
پیغامِ اجل آئے تو تم بچ نہیں سکتے — تم بھاگ کے جاؤ گے جہاں موت کھڑی ہے
فیضی ہیں مگن سب یہاں بس اپنی ہی دھن میں — نہ قوم و وطن کی نہ ہی ملت کی پڑی ہے

سید خادمِ رسول عینی (حیدرآباد) Mob-9527865833

شب ہجر کی کس طرح کٹھن اور بڑی ہے — محبوب سے ہو وصل تو پھر خوب گھڑی ہے
الفت کی سدا ٹھنڈی ردا کا رہے سایہ — ''منزل تو بہت دور ہے پر دھوپ کڑی ہے''
عاشق ہوں مرے عشق کی تکمیل ہو کیسے — پیروں میں نہیں بیڑی نہ ہاتھوں میں کڑی ہے
سب بغض و حسد اور کدورت کو مٹاؤ — کیوں قلب کے مابین یہ دیوار کھڑی ہے
سیلاب غموں کا اسے کیا عینیؔ ڈرائے — طوفان سے جب فاختہ برسوں سے لڑی ہے

محمد ممتاز شعورؔ (سمبلپور راڈیشا) Mob-6370768671

وعدے سے تم اپنے نہ پھرو بات بڑی ہے — ایفائے عہد کی یہ گھڑی گرچہ کڑی ہے
آئینے کا کیا دوش ہے کیوں کوس رہے ہو — وہ گرد کرو صاف جو چہرے پہ پڑی ہے
دیکھو ذرا ہیرے سے بہت لگتی ہے دلکش — کنگن میں تمہارے جو کوئی سیپ جڑی ہے
برسات کے موسم میں ہوا قربِ میسر — یہ وقت نرالا ہے یہ انمول گھڑی ہے
منزل پہ پہنچنے کی ہے دھن دل میں شعورؔ آج — ''منزل تو بہت دور ہے پر دھوپ کڑی ہے''

نظام جلالپوری (مظفرپور بہار) Mob-9198874010

دنیا ہے یہ مائل بہ خطا ضد پہ اڑی ہے — پھن کھولے ہوئے موت سدا سر پہ کھڑی ہے
اب مان بھی جا ضد چھوڑ دے اے جانِ تمنا — دنیا مری بن تیرے بہت سونی پڑی ہے
بھاتی ہی نہیں تیرے سوا کوئی بھی صورت — جس دن سے صنم آنکھ مری تجھ سے لڑی ہے
جو عاشقِ صادق ہے چلا جائے گا بے خوف — 'منزل تو بہت دور ہے پر دھوپ کڑی ہے''
حصے میں نظام آیا ترے شعر کا فن جو — انمول ہے دولت یہ تری بات بڑی ہے

افضل مظفرپوری (بہار) Mob-9955029167

موسم ہے سہانہ یہ محبت کی گھڑی ہے — آ پاس تو ضد چھوڑ دے کیوں دور کھڑی ہے
بے چین ہوں اب تو نہیں قابو میں مرا دل — اک شوخ حسینہ سے میری آنکھ لڑی ہے
مرچی کوئی وارے نظر میری اتارے — بدبخت نظر بد کی نظر مجھ پہ پڑی ہے
عاشق ہوں ہتھیلی پہ لیے جان چلا ہوں — ''منزل تو ہے بہت دور پر دھوپ کڑی ہے''
افضل میں تری شیریں کلامی پہ تصدق — ہے بات تری یا کوئی موتی کی لڑی ہے

سید اولادِ رسول قدسیؔ (امریکہ) Mob-+1(832)352-1992

جب ان کی عنایت پہ مری آنکھ جڑی ہے — پھر کیوں میں کہوں مجھ پہ بلا آن پڑی ہے
دیتا ہے مجھے حوصلہ یہ عزمِ مصمم — ''منزل تو بہت دور ہے پر دھوپ کڑی ہے''
میں ذرّۂ ناچیز ہوں تسلیم ہے مجھ کو — پر باعثِ کونین کی نسبت تو بڑی ہے
ان کے رخِ زیبا کا ابھی ذکر نہ چھیڑو — اس وقت نظر نقشِ کفِ پا پہ پڑی ہے
جو تجھ کو بھی ملنا تھا تجھے مل گیا قدسیؔ — کیوں جانِ تمنا تری اب ضد پہ اڑی ہے

عبدالمجید فیضی (سمبلپور) Mob-9778291038

جاناں! یہی اظہارِ تمنا کی گھڑی ہے — رنگین فضا کیف زا ساون کی جھڑی ہے
وہ ہاتھ بڑھا کر نہ کہیں تھام لے دامن — الھڑ سی جو لڑکی ہے مرے پیچھے پڑی ہے
کرتے ہیں کبوتر کی طرح دونوں غٹر غوں — کانی سے کہیں کانے کی جب آنکھ لڑی ہے
گالوں پہ ہے ابٹن کی پرت آنکھوں میں کجرا — دلہن کے لبِ لعلیں پہ مسّی کی دھڑی ہے
فیضی ہے جواں حوصلۂ راہ نوردی — ''منزل تو بہت دور ہے پر دھوپ کڑی ہے''

صابر کاغذنگری (کاغذنگر تلنگانہ) موبائل۔ 9441020768

یہ وقت کا طوفان قیامت کی گھڑی ہے — دنیا کہ خرافات کے چنگل میں پڑی ہے
میں رختِ سفر باندھ کے بس چل ہی پڑا ہوں — ''منزل تو بہت دور ہے پر دھوپ کڑی ہے''
آنکھوں سے رواں جب سے ہوا اشک کا دریا — یہ درد کا موسم ہے کہ ساون کی جھڑی ہے
خدشہ ہے کہ شعلے نہ بھڑک جائیں اچانک — دنیا ہے کہ بارود کے ٹیلے پہ کھڑی ہے
باز آتی نہیں اس کی انا جبر سے صابر — بچے کی طرح یہ بھی تو اب ضد پہ اڑی ہے

نظام مجھولیاوی (مظفرپور بہار) Mob-9973047938

تو مالک و مولا ہے تری ذات بڑی ہے — اللہ مدد کر یہ مصیبت کی گھڑی ہے
یہ ملک زمانے میں مثالی تھا مگر اب — رفتارِ ترقی ہے جو دھیمی سی پڑی ہے
جائز ہے کسانوں کی ہر اک مانگ پہ افسوس — بھارت کی حکومت ہے کہ بس ضد پہ اڑی ہے
عاشق کے لیے مسئلہ کوئی نہیں گرچہ — ''منزل تو بہت دور ہے پر دھوپ کڑی ہے''
کامل ہے نظام آج وہ شاگرد جہاں میں — استاد کے ہاتھوں سے لگی جس کو چھڑی ہے

فیروز القادری (ملی گھاٹ مظفرپور) Mob-6204862039

اک شوخ حسینہ پہ نظر جب سے پڑی ہے — آنکھوں سے مری نیند تبھی سے تو اڑی ہے
تم نے یہ کہا تھا کہ شب آنے پہ ملیں گے — اب رات گزرنے کے لیے دو ہی گھڑی ہے
کرتا نہیں کوئی یہاں اب پیار کی باتیں — نفرت کی ہر اک دل میں تو دیوار کھڑی ہے
ماتھے کا پسینہ یہی کہتا ہے یقیناً — ''منزل تو بہت دور ہے پر دھوپ کڑی ہے''
انسان کی اب قدر تو ہوتی نہیں فیروز — اس دور میں انساں نہیں دولت ہی بڑی ہے

حافظ محمد طفیل احمدؔ (سمبلپور اڈیشا) 9178179786 موبائل

یہ کیسی محبت کہ قیامت کی گھڑی ہے — اے جانِ وفا! میرے لیے جان کنی ہے
دریا مرے آگے تو سمندر مرے پیچھے — گھر پہنچا تو ابو سے بڑی مار پڑی ہے
اللہ رے یہ عشق و محبت کا کرشمہ — نیزے کی انی گویا میرے دل میں گڑی ہے
یہ کیسا جنوں ہے کہ قدم بڑھتے چلے ہیں — ''منزل تو بہت دور ہے پر دھوپ کڑی ہے''
یہ روگ محبت کا عجب چیز ہے حافظ — خاروں کی یہ برسات لگے پھول جھڑی ہے

غلام نبی حسن قادری (مظفر پور، بہار) موبائل۔9934945133

محبوب کی نظروں سے نظر جب سے لڑی ہے — تب سے ہی نگاہوں میں وہ تصویر گڑی ہے
بن دیکھے نہ رہ پاؤں گا محبوب کا چہرہ — اس ضد پہ تمنا میری برسوں سے اڑی ہے
اب مطلبی یاروں کا تماشا ہے ہر اک جا — یہ کیسا برا وقت ہے، یہ کیسی گھڑی ہے
کہتا ہے رہِ عشق و محبت کا مسافر — ''منزل تو بہت دور ہے پر دھوپ کڑی ہے''
محشر میں کریں گے میری امداد پیمبر — ان پہ ہی حسن تیغی کی امید بڑی ہے

راحت بشنوپوری (سیتامڑھی بہار) موبائل۔9430463230

مانا کہ غزل گوئی بہت صنف کڑی ہے — پر اس کی حکومت تو ہر اک دل پہ گڑی ہے
لُوٹا تھا کبھی فصلِ خزاں نے جنھیں آکر — پر آج ہر اک باغ میں پھولوں کی لڑی ہے
کرنی ہے جو نیکی تو ابھی کرلے اے غافل — کل ہو کہ نہ ہو موت ترے سر پہ کھڑی ہے
عاشق کے لیے ویسے تو مشکل نہیں کچھ بھی — ''منزل تو بہت دور ہے پر دھوپ کڑی ہے''
کب آئے نظر اس کا حسیں جلوہ اے راحت — یہ آنکھ درِ جاناں پہ مدت سے گڑی ہے

حمید عکسی (ورنگل) Mob-9000719016

مشکل میں بہت جان میری آج پڑی ہے — یہ کیسی وبا آئی ہے یہ کیسی گھڑی ہے
اس بچے کی دانش پہ مجھے ہے بڑی حیرت — چھوٹا ہے اگر منہ تو بہت بات بڑی ہے
آنکھوں سے کسی بچے کے گرتے ہوئے آنسو — لگتا ہے مجھے جیسے کہ موتی کی لڑی ہے
میں سر پہ دعاؤں کی ردا لے کے چلا ہوں — ''منزل تو بہت دور ہے پر دھوپ کڑی ہے''
خیرات شب و روز بٹا کرتی ہے عکسی — آیا جو ان کے در پہ مری جھولی بھری ہے

انجینئر عزیز تنویر کوٹوی (راجستھان) Mob-7976504119

ہر موڑ پہ منہ کھولے ہوئے موت کھڑی ہے — یاں کون جئے کون مرے کس کو پڑی ہے
ممنون ہوں اب شکوۂ تاخیر کیا کروں — آپ آئے یہ میرے لیے خوشیوں کی گھڑی ہے
دامانِ یار تک نہ پہنچنے دیا کبھی — تقدیر مری مجھ کو کہاں لے کے کھڑی ہے
جب تابِ دیدِ جلوۂ نظارہ نہیں پھر — اے چشمِ شوق تجھ کو کیوں جلووں کی پڑی ہے
ہے فتنۂ محشر وہ سراپا ترے لیے — کس شوخ سے تنویر تری آنکھ لڑی ہے

عارف محمد عارفؔ (بھدرک اڈیشا) موبائل۔7504136004

رونے کا یہ موقع ہے کہ ہنسنے کی گھڑی ہے — مدت سے مری جان مصیبت میں پڑی ہے
آتی ہے جو اخلاق کی خوشبو میں نہا کر — انسان کے نزدیک وہی بات بڑی ہے
اس راہِ محبت میں نہ سایہ ہے شجر کا — ''منزل تو بہت دور ہے پر دھوپ کڑی ہے''
تھمتی نہیں پل بھر کے لیے اشکوں کی بوندیں — آنکھوں میں مری ہر گھڑی ساون کی جھڑی ہے
کرنے نہ دے کچھ کام یہ عارفؔ کو سکوں سے — ہر وقت تری یاد مرے سر پہ کھڑی ہے

احقر القادری تیغی (موہن پور شریف) Mob-7366854786

اک شوخ حسینہ سے میری آنکھ لڑی ہے — مجھ عاشقِ ناکام کی اب جاں پہ پڑی ہے
یہ شمعِ محبت ہے جو بجھ ہی نہیں سکتی — کیوں بادِ حوادث تو بھلا ضد پہ اڑی ہے
ہے تنگ زمیں ہند کی بندوں پہ ترے اب — مولا ہے دہائی یہ مصیبت کی گھڑی ہے
جانا ہے درِ یار پہ ہر حال میں لیکن — ''منزل تو بہت دور ہے پر دھوپ کڑی ہے''
حاضر ہو درِ یار پہ جیتے جی کبھی تو — احقر کی یہ خواہش ہے اور امید بڑی ہے

شکیل سہسرامی (پٹنہ بہار) Mob-9835642267

ہے بات تو چھوٹی سی مگر فکر بڑی ہے — منزل تو بہت دور نہیں دھوپ کڑی ہے
کیا جشن منایے گا کوئی عید ملن کا — ہفتوں سے لگی شہر میں ساون کی جھڑی ہے
یہ شہرِ ملامت ہے تباہی کی علامت — ہر موڑ پہ آفت یہاں دس بیس کھڑی ہے
کیا خوب ساعت کو عطا کرتی ہے لذت — محبوب کی گالی ہے کہ پھولوں کی لڑی ہے
آرام سے کوئی بھی نہیں شہرِ ہوس میں — ہر لمحہ یہاں آج مصیبت کی گھڑی ہے

محمد یونس عاصمؔ (کٹک) موبائل۔9090156995

یہ دیکھ ترے در پہ تری موت کھڑی ہے — اسبابِ جہاں چھوڑ کہ جانے کی گھڑی
یاد ان کیمیری پلکوں کو آکر بھگو گئی — آنکھوں میں میری دیکھیے ساون کی جھڑی ہے
اچھے دنوں کے خواب دکھانے لگے ہو تم — جیسے تمہارے ہاتھوں میں جادو کی چھڑی ہے
رفتار ذرا تیز کرو دوستو دیکھو — ''منزل تو بہت دور ہے پر دھوپ کڑی ہے''
ہے گھر کی ضرورت کا ابھی سر پہ مرے بوجھ — غربت کی مرے پاؤں میں زنجیر پڑی ہے

اوج اکبر پوری (رہتاس) Mob-

یہ زندگی ہماری بری ہے یا بھلی ہے — جیسی بھی ہے قدرت کے یہ سانچے میں ڈھلی ہے
پروانے کی یلغار ہے کیا گزرے ہے اس پر — مشکل سے سرِ راہ جو اک شمع جلی ہے
نفرت ہے عداوت ہے تعصب ہے دلوں میں — لگتا ہے کہ انسانیت دم توڑ چکی ہے
گزری ہے یہاں زندگی مدت سے ہماری — پہچانی ہوئی شہر کی ہر ایک گلی ہے
کردے نہ کہیں خاک جلا کر مجھے اے اوج — چنگاری تری یاد کی سینے میں دبی ہے

(بقیہ صفحہ 24)

ادب پیما
(ادبی وثقافتی خبریں)

۲۷رویں عرسِ قدوسی کی بہار

MSUNG\F SAHEB.jpg not found.

۱۲راکتوبر ۲۰۲۱ء سہہ شنبہ کو عارف باللہ سیدنا مفتیِ اعظم اڑیسہ حضرت علامہ سید عبدالقدوس سرہٗ کا ۲۷رواں سالانہ ''عرسِ قدوسی'' خانقاہِ قدوسیہ بھدرک شریف اڈیشا کے وسیع و عریض ''صحنِ عزیز'' میں انتہائی احترام و احتشام کے ساتھ منایا گیا جس کی سرپرستی صاحب سجادہ شیرِ اہلِ سنت علامہ مفتی سید آلِ رسول حبیبی ہاشمی نے فرمائی جبکہ قیادت حضرت علامہ حافظ سید عرف رسول قدوسی ازہری ولیعہد خانقاہ مذکور نے کی۔

اس میں ملک کے متعدد صوبوں کے عقیدت مندوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی اور فیضانِ قدوسیہ سے مالا مال ہوئے۔ حسبِ روایت بعد نمازِ فجر مفتیِ اعظم اڑیسہ اور محمودۂ اہلِ سنت کے مزاراتِ مقدسہ کو پاکیزہ پانی اور عرقِ گلاب سے غسل دیا گیا۔ پھر خانقاہ کی جانب سے چادر پوشی ہوئی اور عطر و گلاب پاشی کی گئی۔

بعدہٗ جامعہ قدوسیہ کے طلبہ اور دیگر افراد اہلِ سنت نے قرآن خوانی اور درود خوانی کی۔ پھر مغرب سے پہلے عقیدت مندوں کی جانب سے چادر پوشی ہوئی۔ بعد نمازِ ظہر موئے مبارک نبیٔ کریم علیہ التسلیم کو صاحب سجادہ نے غسل دیا۔ پھر زیارت کا سلسلہ شروع ہوا جو مغرب تک جاری رہا۔ مغرب کے بعد ''قدوسی میڈیا سینٹر'' کے قیام کا مسرت بھرا اعلان کیا گیا اور اس کا افتتاح حضور شیر اہلِ سنت ناصرِ ملت الحاج سید عطا محی الدین، حضرت مولانا سید عثمان برکاتی (نیپال)، حضرت مولانا سید عرف رسول ازہری اور استاذ الشعرا جناب سید خادم رسول عینیؔ کے ہاتھوں لائٹ جلا کر کیا گیا۔ بعدہٗ رسمِ قل شریف محمودۂ اہلِ سنت ادا کی گئی اور لنگر قدوسیہ تقسیم کیا گیا۔ پھر عرس کا اجلاسِ عام منعقد ہوا جس کا آغاز حضرت مولانا سید عرف رسول ازہری نے تلاوتِ قرآن سے کیا۔ پھر نعت و منقبت خوانی اور تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا جو ۱۲ربجے شب تک جاری رہا۔ پھر لنگر قدوسیہ کے ذریعہ حاضرین کی عشائیہ سے ضیافت کی گئی اور ٹھیک ایک بج کر پندرہ منٹ پر رسمِ قل ادا کی گئی۔

نعت خواں اور شعرا میں قابلِ ذکر اسمایہ ہیں: شاعرِ اہلِ سنت سید خادم رسول عینیؔ، پیر محمد شیدا قدوسی، عبدالغفار بہادر پوری اور معراج حسانی وغیرہ

خطاب پر فصاحت سے نوازنے والے ذوالاحترام علما و خطبا کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت علامہ صغیر احمد جوکھن پوری (بریلی شریف)، حضرت علامہ مفتی سید آل رسول حبیبی ہاشمی، حضرت مولانا مفتی عثمان برکاتی (نیپال)، حضرت مولانا سید عرف رسول قدوسی ازہری، حضرت مولانا ثنا علی ازہری قدوسی، حضرت مولانا سید ظہیر الدین رضوی قدوسی، حضرت مولانا سید سلیم رضا رضوی قدوسی وغیرہ۔

نظامت کے فرائض حضرت حافظ فیضان احمد قادری نے بحسن و خوبی انجام دیے۔ جلسے کے دوران مفتیِ اعظم اڑیسہ کے ملفوظاتِ علمیہ کا لاجواب مجموعہ ''مفتیِ اعظم اڑیسہ علم کے بحرِ ذخّار'' اور تالیفِ لطیف مفتی سید آل رسول ہاشمی کی رسمِ اجرا علما و مشائخ کے نورانی ہاتھوں ادا کی گئی۔

حضرت علامہ صغیر احمد جوکھن پوری کو خانقاہ کی جانب سے سپاس نامہ اور مفتیِ اعظم اڈیشا ایوارڈ پیش کیا گیا۔ اور حضرت مفتی عثمان برکاتی (نیپال) کو حضور شیرِ اہلِ سنت نے سلسلۂ عالیہ قدوسیہ کی خلافت و اجازت عطا فرمائی اور یہ نصیحت فرمائی کہ مسلکِ اعلیٰ حضرت پر قائم رہنا ضروری ہے۔ اس سے سرِ مو انحراف خلافت و اجازت کو برطرف کردے گا۔ شیرِ اہلِ سنت نے یہ بھی فرمایا کہ یہ وصیت صرف مفتی صاحب کے لیے نہیں بلکہ سلسلۂ قدوسیہ سے وابستہ ہر شخص کے لیے ہے۔

پیش کش:۔ سید خادم رسول عینیؔ

ناظم نشر و اشاعت خانقاہِ قدوسیہ، بھدرک شریف (اڈیشا)

رونق جمال کو صوبائی ایوارڈ تفویض کیا گیا

s\SAMSUNG\Pictures\ Jamal.jpg not found.

۲۰۰۰ء میں مدھیہ پردیش سے اس کے ایک حصے کو الگ کر کے چھتیس گڑھ صوبے کی تشکیل کی گئی تھی۔ تب سے ہر سال صوبے کی تشکیل کی خوشی میں پانچ روزہ جشن کا اہتمام کیا جاتا ہے اور جشن کے اختتام پر صوبے کی معزز شخصیتوں کو اعزاز سے نوازا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ہر سال اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے حاجی حسن علی ایوارڈ دیا جاتا ہے۔ صوبے کی تشکیل کی اکیسویں سالگرہ کے موقع پر صوبے کے مایہ ناز قلمکار رونق جمال صاحب کو حاجی حسن علی ایوارڈ سے نوازا گیا اور انھیں چھتیس گڑھ صوبے کا نشان، سند اور دو لاکھ روپے کا چیک ایک عالی شان جلسے میں صوبے کی گورنر محترمہ انسوئیا صاحبہ اور وزیر اعلیٰ جناب بھوپیش بگھیل صاحب کے دستِ مبارک سے پیش کیا گیا۔ رونق جمال صاحب نے اپنی تخلیقات کے ذریعہ صوبے کے نام کو بیرونی ممالک تک پہنچایا ہے۔ اس کے علاوہ بچوں کے لئے نئی صنف ''بچکانہ'' کی ایجاد کا سہرا بھی ان کے سر جاتا ہے۔ رونق جمال صاحب کو ایوارڈ سے نوازے جانے پر ادبی حلقوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے اور ہر جانب سے مبارکبادی کا سلسلہ جاری ہے۔ ☆☆☆

ادبی محاذ کے دفتر میں ایک استقبالیہ شعری نشست

found.

حیدرآباد سے تشریف لایے مہمان شاعر جناب سید خادم رسول عینؔی صاحب کے اعزاز میں ایک خصوصی شعری نشست کا اہتمام گزشتہ ۱۴/ ۱۰/ اکتوبر ۲۰۲۱ء کو دن کے دس بجے ادبی محاذ کے دفتر میں کیا گیا جس کی صدارت عینؔی صاحب کے برادرِ اکبر مجلدِ اردو الحاج عطا محی الدین صاحب نے فرمائی۔ نظامت کے فرائض معروف ناظمِ مشاعرہ جناب شوکت رشیدی صاحب نے بحسن وخوبی انجام دیے۔ اس خصوصی نشست میں جن شعرائے کرام نے اپنے کلام سے محظوظ فرمایا ان کے اسمائے گرامی ہیں: سید خادم رسول عینی، سعید رحمانی، سید نفیس دسنوی، رفیق رضا، عبدالحق بیتاب، عبدالحفیظ بسمل، شاکر وارثی، سید نور الٰہی ناطق، صلاح الدین تسکینؔ، محمد مرشدؔ، شوکت رشیدی، یونس عاصم، برہان ادیب وغیرہ۔ ان کے علاوہ شیخ قریش اور منور حبیبی بھی بطور سامعین موجود تھے۔ شوکت رشیدی صاحب کے کلماتِ تشکر کے ساتھ اس نشست کا اختتام ہوا۔☆☆☆

مشتاقؔ دربھنگوی کو الوداعیہ

not found.

گزشتہ 17 اکتوبر کو جناب محمد اقبال نے اپنی میزبانی میں اپنے دولت کدہ "گلشن اقبال" (مٹیا برج، کلکتہ) پر مشتاق دربھنگوی کے اخبار مشرق سے سبکدوش ہونے پر ایک الوداعی تقریب کا اہتمام کیا۔ تقریب کی صدارت ڈاکٹر الف انصاری نے کی جبکہ نظامت کے فرائض جناب امان اللہ ساغر نے بحسن وخوبی انجام دیے۔ مہمانان اعزازی کے طور پر جناب انجم رومان اور جناب یاسین قریشی نے شرکت کی۔ اس موقع پر میزبان جناب محمد اقبال نے مشتاق دربھنگوی کو پھولوں کا ہار پیش کیا اور ایک خوبصورت تحفہ سے بھی نوازا۔ اس کے بعد 'بزم ذاکر' کے چیئرمین محمد شاہد حسین شاہد اور 'ایور گرین اسپورٹس کلب' کے چیئرمین ڈاکٹر عبدالوارث نے مشتاق دربھنگوی کی گلپوشی کی۔ رسم گلپوشی کے بعد محمد نظام الدین، حکیم رئیس احمد رئیس اور تاج محمد تاج نے نبی کریم ﷺ کے حضور گلہائے تہنیت پیش کیے۔ تمام مقررین نے مشتاق دربھنگوی کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں مبارکباد پیش کی اور اس بات کی تائید کی کہ مشتاق دربھنگوی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ دنیا میں جہاں جہاں بھی اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے وہاں کے لوگ مشتاق دربھنگوی سے بخوبی واقف ہیں۔ عالمی سطح پر شعراء وشاعرات کی ڈائرکٹری "گوش برآواز" کی اشاعت ان کا بڑا کارنامہ ہے جس نے پوری دنیا کے شعراء کو ایک دھاگے میں پرو دیا ہے۔ لہٰذا ان کے لئے تقریب کا اہتمام کرنے پر سبھوں نے محمد اقبال صاحب کی بھی ستائش کی اور انہیں مبارکباد پیش کی۔

تقریب میں جن مقررین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور جن شعراء نے اپنا کلام پیش کیا اُن کے اسمائے گرامی ہیں۔ ڈاکٹر الف انصاری، امان اللہ ساغر، مشتاق دربھنگوی، انجم رومان، علیم الدین علیم، کمتر عظیم آبادی، شاہد حسین شاہد، صابر رضا سمشی، کفیل انور، قمر الدین قمر، اصغر ندیم نظامی، اشفاق حسین ظفر، ڈاکٹر عبدالوارث، محمد جمال اور شاہد احمد آسوی۔ اہم شرکاء میں اقبال احمد، مبارک حسین، آفتاب ندیم اور عرفان قادر کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ آخر میں میزبان جناب محمد اقبال نے اظہار تشکر پیش کیا۔ پُر تکلف عشائیہ کے بعد رات دس بجے یہ تقریب کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔☆☆☆

بزمِ اردو کرنول کا ماہانہ طرحی مشاعرہ

sers\SAMSUNG\Pictures\KHA RASOOL.jpg not found.

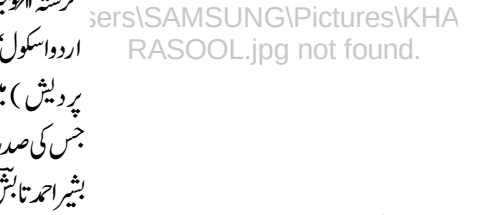

گزشتہ ۱۳/ ۱۱/ نومبر ۲۰۲۱ء کو ڈاکٹر عبدالحق اردو اسکول" کرنول (آندھرا پردیش) میں منعقد کیا گیا جس کی صدرات پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد تابشؔ نے فرمائی۔ سید خادم رسول عینؔی صاحب (بھدرک، اڈیشا) بطور مہمانِ خصوصی جلوہ افروز تھے جبکہ نظامت کے فرائض عبدالجلیل ارمؔ صاحب نے بحسن وخوبی انجام دیے۔ ڈاکٹر حسینی کی تلاوتِ کلامِ پاک سے اس مشاعرے کا آغاز ہوا۔ یاسر بخاری نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں گلہائے عقیدت کے نذرانے پیش کیے۔

مصرع طرح "ہنسی آرہی ہے تری سادگی پر" جن شعرائے کرام نے کلام پیش کیا ان کے اسمائے گرامی ہیں: سمیع شریف، عطا کوثر قادری، عبدالجلیل ارمؔ، عظمت کڈپوی، پروفیسر بشیر احمد تابشؔ کے علاوہ سید خادم رسول عینؔی صاحب نے اپنا طرحی کلام پیش کر کے سامعین کو محظوظ کیا۔ ☆☆☆

TAWAKKAL ENTERPRISES

Poilce Lane, Buxi Bazar,
Cuttack-753001

Tel. : 0671-6548643
Mobile : 9238418643

Stockist of :
Hamdard, Zandu Pharmaceuticals,
Dechane, New Shama Labs, Kalonji Oil,
Noorani Oil, Qudrati Oil,
Royal Ayurvedic Pharmacy Etc.

Proprietor : **ABDUL AHAD**

Libas

Suit Specialist

Master
F.A. Khan

Ph. : 0671-2428418
Mob. : 9437143877

SUTAHAT
(NEAR TINKONIA BAGICHA)
CUTTACK - 1

اس جگہ اشتہار دے کر اپنے
بزنس کو فروغ دے سکتے ہیں
شرح اشتہار صرف 00 روپے

اس جگہ اشتہار دے کر اپنے
بزنس کو فروغ دے سکتے ہیں
شرح اشتہار صرف 200 روپے

DWA GHAR

Blood, Urine, Stool,
Pregnancy Etc.
are examined here
Prop. : Sd. Sahid Ali
Mobile : 93376 26958
Deewan Bazar,
Cuttack-1

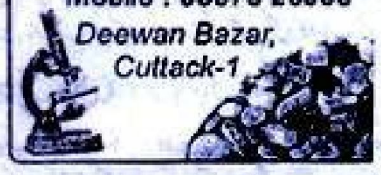

The famous shop for
durable footwear in your city
BOMBAY FOOTWARE

BUXI BAZAR, CUTTACK-1

STYLE 'N' STYLE
(DESIGN FOUNDER)
SHOP NO.A-8, FANCY MARKET
TINKONIA BAGICHA
CUTTACK-1

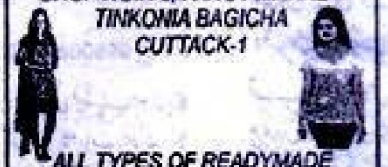

ALL TYPES OF READYMADE
GARMENTS ARE AVAILABLE HERE
PROP. : **LAL BHAI**
MOB. : 09861383643

ALUMINIUM & STEEL FABRICATION

We Deals in :
Aluminium Windows, Sliding Door,
Steel Railing, Balcony,
Fabric & Commercial Door,
Gypsom Roof Ceiling Work

SUTAHAT, CUTTACK-1
Mobile : 90400 48800